سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن ہیڈ لکھنؤ

(نمبر ۷۳)

کسی نے [illegible] نکاح

مطبوعہ

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

قیمت ۳/ محصولڈاک ۱/



مصنفہ

حضرت سید العلماء مولانا السید علی نقی النقوی

دام ظلہ

(مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ)

فہرست رسائل امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	[illegible]	نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	[illegible]
۱	قاتلان حسین کا مذہب	۴/	۱/	۱۷	نوروز اور عیدیہ	۱/	۱
۲	تحریف قرآن کی حقیقت نمبر	ایڈیشن زیر طبع		۱۸	مجاہدۂ کربلا	۲/	۱
۳	مولود کعبہ	ختم		۱۹	کربلا کا اتم بلیدان ہندی	ختم	
۴	وجود حجت	۴/	۱/	۲۰	دی مارٹیرڈم آف حسین (انگریزی)	۲/	-
۵	اصول دین اور قرآن	۴/	۱/				
۶	اتحاد الفریقین حصہ اول	۴/	۱/	۲۱	اسوۂ حسینی	۴/	۱
۷	حسین اور اسلام اردو	۱/	۱	۲۲	جنگ صفین	۳/	۱
۸	" ہندی	۱	—	۲۳	تذکرۂ حفاظ شیعہ حصہ اول	۲/	۱
۹	" انگریزی	ختم		۲۴	" " " دوم	۵/	۱
۱۰	متعہ اور اسلام	۶/	۲	۲۵	مقصود کعبہ	۱/	۱
۱۱	امامت ائمۂ اثنا عشر اور قرآن	/	/	۲۶	مذہب ما ثبت بہار حصہ دوم	۹/	۱
۱۲	تجارت اور اسلام	ختم		۲۷	مذہب اور سائنس	ختم	
۱۳	اتحاد الفریقین حصہ دوم	"		۲۸	معرکۂ کربلا	"	
۱۴	علی اور کعبہ	"		۲۹	کربلا کا مہا یدھ	"	
۱۵	رجال بخاری حصہ اول	۲/	۱/	۳۰	دی ٹریجڈی آف کربلا انگریزی	"	
۱۶	مذہب ما ثبت بہار حصہ اوّل	۵/	۱/	۳۱	اسلام کی حکیمانہ زندگی	۹/	۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطاہرین۔

انسان کے عملی فرائض

عقائد کے استحکام کا نمایاں نتیجہ اعمال و افعال میں ذمہ داری کا احساس ہے۔ بلوغ کے ساتھ ہی انسان پر یہ ذمہ داری سختی کے ساتھ عائد ہو گئی۔ شرع کے لحاظ سے یہ اب تک آزاد تھا اب مقید ہو گیا اب اس کا ہر حرکت و سکون جنبش لب اور گردش نگاہ موقوف حساب بن ہے قلم تکلیف جاری ہو گیا ہے اور فرائض و اعمال کی سختی کے ساتھ نگرانی ہونے لگی ہے۔

اب سب سے پہلے جو نماز کا وقت آئے گا اس میں اس کو واجبی طور پر نماز ادا کرنا ہو گی اور نماز کے لیے صحیح طور پر طہارت لازمی ہو گی جس کے لیے بعض صورتوں میں غسل درکار رہے گا اور بعض صورتوں میں وضو لازم ہو گا بہت آسان تھا اگر نماز اور

امامیہ مشن کی تیرھویں خدمت

"نظام زندگی" کا پہلا حصہ اس کے پہلے شایع ہو چکا ہے موجودہ حصہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

اس میں فلسفۂ تقلید، حقیقت عبادت، طہارت و نجاست وغیرہ ایسے اہم مذہبی مسائل پر حکیمانہ طرز سے تبصرہ کیا گیا ہے۔

اس زمانہ میں جب کہ لوگ مذہب کو عقل کی روشنی میں سمجھنے کے طلبگار رہیں اس قسم کی تصنیف کی سخت ضرورت ہے۔

امید ہے کہ افراد قوم اس سورہ کی اشاعت میں بھی انہماک سے کام لیں گے تاکہ اس سلسلہ کے بقیہ حصص بھی جلد شایع کیے جا سکیں۔

خادم قوم

سید مصطفےٰ احسن رضوی

آنریری سکریٹری امامیہ مشن نخاس لکھنؤ

ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

طبیب نہیں ہیں تو ضرور کسی حکیم، ڈاکٹر کے پاس جائیں گے اُس سے
حال کہیں گے، وہ تشخیص مرض کرے گا۔ دوا تجویز کرے گا۔ آپ اُس
کے نسخہ پر عمل فرمائیں گے وہ دوا لائیں گے اور مریض کو پلائیں گے
یہ تقلید نہیں تو کیا ہے۔

آپ کو کوئی مکان بنوانا ہو۔ انجینیر کے پاس جائیں گے۔ اپنے ضروریات
اُس سے بیان کریں گے وہ نقشہ بنائے گا۔ مصارف کا تخمینہ کرے گا۔ آپ
اُسی کے مطابق عمل کریں گے یہ تقلید ہی تو ہے۔

آپ کا کوئی مقدمہ درپیش ہوتا ہے، وکیل یا بیرسٹر کے پاس
مِسل لے جاتے ہیں مقدمہ کی روئداد سُناتے ہیں وہ اُس کے تمام
پہلوؤں پر غور کرتا ہے آپ اُسی کی رائے کے مطابق کاغذات داخل
کرتے ہیں گواہ تیار کرتے ہیں۔ اور مقدمہ کی پیروی کرتے ہیں۔
یہ سوائے تقلید کے کچھ اور نہیں ہے۔

یہی صورت ہر چیز میں ہے۔ پھر جس قدر کسی معاملہ کی اہمیت زیادہ
ہوتی ہے اُتنا ہی اُس میں سوجھ بوجھ اور انتخاب سے کام لینا پڑتا ہی
اگر کوئی معمولی مرض ہے، تو جو حکیم بھی اُس وقت سر دست موجود
ہوا اُسی کی طرف رجوع کر کے نسخہ لکھوا لیا، لیکن اگر مرض پیچیدہ
ہے تو کوشش ہوتی ہے کہ جو سب سے بڑا حکیم یا ڈاکٹر ہو اُس سے

طہارت کے تمام مسائل ہر حیثیت سے معین ہوتے اور اُن میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ یہ کوئی کتاب اُٹھا لیتا اور جو کچھ اُس میں لکھا ہوتا اُس پر عمل کرتا مگر دشواری یہ ہے کہ مسائل میں اختلاف ہے اور مختلف علماء کے فتاوے آپس میں جدا گانہ ہیں۔ پھر اب یہ کیا کرے۔ کیونکر عمل بجا لائے۔ اس کے لیے تقلید کی ضرورت ہے

نظامِ زندگی میں تقلید کی ضرورت

تقلید کے متعلق اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہے بہت سے افراد اُس کو پیری مریدی کی طرح کی ایک چیز سمجھتے ہیں اور بعض اُس کو ایک بلا ضرورت سی شے خیال کرتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو تقلید بالکل فطری شے ہے جو دنیا کے ہر شعبہ میں کارفرما ہے اور کوئی چیز اُس سے مستثنےٰ نہیں ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص ہر فن سے واقف نہیں ہو سکتا ہر چیز میں کچھ اُس کے واقفکار ہوتے ہیں اور کچھ ناواقف۔ کوئی شبہہ نہیں کہ ناواقف افراد ہمیشہ ضرورت کے وقت پر واقفکار لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آپکا خدا نخواستہ کوئی عزیز بیمار ہو اگر آپ خود طبیب ہیں تو بسا اوقات خود علاج کرینگے، لیکن اگر

ہو گئے پھر بھی دو طبقے رہنا ضروری ہیں۔ ایک صاحبان علم جو مسائل
دینیہ کو خود سمجھ سکتے ہیں دوسرے ناواقف عوام یعنی جہال۔
اب یہ جاہل افراد کیا کریں؟ کیا احکام شرعیہ سے ان کو بالکل بے نیاز
سمجھ لیا جائے اور انھیں بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا جائے؟ پھر جب
یہ صحیح نہیں تو سوائے اس کے اور کیا صورت ہے کہ ناواقف لوگ
واقفکار افراد سے رجوع کریں اور اُن سے دریافت کر کے مسائل پر
عمل کریں۔ اسی کا نام تقلید ہے۔

زمانۂ ائمہ میں نظامِ تقلید کا وجود

یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ زمانۂ ائمہ علیہم السلام میں بھی
موجود تھی یہ ظاہر ہے کہ امام کا قیام کسی ایک مرکز پر رہتا تھا
اسلام اور تشیع کا دائرہ بہت وسیع تھا اور دُور دُور کے لوگ
احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے ذمہ دار تھے۔ ہر ایک کے لیے یہ ممکن نہیں تھا
کہ وہ امام کی خدمت میں حاضر ہو کر براہ راست مسائل کو دریافت
کرے اور علم شریعت کو حاصل کرے بلکہ کچھ افراد ایسے ہوتے تھے جو
امام سے مسائل دینیہ کا علم حاصل کریں اور اُسے دوسرے ناواقف
افراد تک پہونچائیں۔ ظاہر ہے کہ احادیث ائمہ میں عمومات ہوتے تھے

علاج کرایا جائے۔ یوں ہی چھوٹا سا مکان بنوانا ہے تو کسی معمولی
نقشہ نویس سے نقشہ مرتب کرالیں گے لیکن اگر کوئی عالی شان
کوٹھی بنوانا ہو تو بڑے انجینیر کی تلاش ہوگی۔ کوئی مقدمہ بالکل
معمولی دس پانچ روپیہ کا ہے تو کسی معمولی وکیل سے رجوع کرلیں گے
لیکن اگر بڑا مقدمہ ہے تو پھر فکر ہوگی کہ سب سے بڑے وکیل کی
طرف رجوع کی جائے حالانکہ غلطی کا امکان اُس بڑے حکیم، کامل
انجینیر اور وکیل میں بھی ہے اور اسی لیے کبھی اُن کے ہاتھوں
میں ناکامیابی ہوتی ہے مگر عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں
سے کوتاہی نہ ہونا چاہیے اس کے بعد بھی اگر مضرت واقع
ہوئی تو وہ قسمت سے متعلق ہے انسان کی اس میں کوئی خطا
نہیں ہے۔

اب دیکھئے کہ احکام شرعیہ، یہ وہ چیز ہے جس سے انسان
کی دین و دنیا دونوں وابستہ ہیں اگر ہر شخص اتنا علم رکھتا ہوتا
کہ خود تحقیق کرے اور سمجھ کر رائے قائم کرے تو بے شک تقلید کی
ضرورت نہ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص مجتہد ہوتا اور ضرورت
نہ تھی کہ وہ دوسرے کی رائے پر عمل کرے مگر عام نظام دنیا کی بنا پر
یہ امر غیر ممکن ہے اور نہ شرع میں اس کا حکم ہے۔ کتنی ہی علمی ترقی

ذریعے روایات منتشر ہوتے ہیں۔ یہ نقل بالمعنی ظاہر ہے کہ خود راوی کے فہم و استنباط پر مبنی ہے اور جو کچھ وہ سمجھتا ہے اس کو دوسروں تک پہونچاتا ہے۔ وہ دوسرے بزرگ جو اس روایت کو شن کر عمل کرتے ہیں وہ اس کے فہم و استنباط پر اعتماد ہی تو کرتے ہیں یہ تقلید نہیں تو اور کیا ہے۔

(قرآنی ثبوت)

خود قرآن مجید میں مسائل دینیہ کے علم کا جو طریقہ مقرر کیا ہے وہ یہی ہے ارشاد ہوتا ہے فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔ کیوں نہیں ان میں سے ہر جماعت میں سے ایک گروہ سفر کرتا تاکہ وہ مسائل دینیہ کو سمجھیں اور واپس آنے کے بعد اپنی قوم کو ڈرائیں یعنی فرائض شرعیہ پر متنبہ کریں شاید کہ وہ ڈریں یعنی فرائض پر عمل پیرا ہو جائیں۔

یہاں اُن لوگوں کے لیے جو دور دراز مقامات پر رہتے ہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُن میں سے ایک گروہ کو سفر کرنا چاہیئے تاکہ وہ مسائل دینیہ کو حاصل کریں۔

تخصیصات، مطلقات ہوتے تھے اور مقیدات، حقائق ہوتے تھے اور مجازات، عوام کو چاہے وہ اہل عرب ہی کیوں نہ ہوں۔ ہرگز اس کا موقع نہیں ہے کہ وہ کسی حدیث کو سن کر آنکھ بند کر کے اس کے مفہوم پر عمل کر لیں۔ وہ اصحاب میں سے علمائے شریعت ہی تھے کہ جو احادیث سے معنی اخذ کر کے بنتیجۂ علم لیتے احکام شرعیہ سے جہال کو واقف بناتے تھے۔ یہ وہی اجتہاد و تقلید ہے جس کا آج سوال درپیش ہے۔

خود راویان حدیث میں سے سب ایسے نہیں تھے جو علیہ اپنے ذاتی علم پر عمل کریں اس لیے کہ بعض راوی تو ایسے ہیں جنھیں اتفاق سے کبھی ایک ہی موقع پیش آیا خدمت امام میں حاضر ہونے کا اور اس وقت کی کوئی بات انھوں نے نقل کر دی، لیکن وہ رواۃ جو بہت زیادہ خصوصیت رکھتے تھے وہ بھی ہر موقع پر موجود نہیں رہتے تھے۔ امام کا سلسلۂ فیض برابر جاری تھا بفحوا بہت سے مسائل حضرت اُن کی غیبت میں بیان فرماتے تھے، ان مسائل کی معرفت کا ذریعہ اُن رواۃ کے لیے جو اُس وقت موجود نہ تھے اُن رواۃ کا بیان ہی ہو سکتا ہے جو اتفاق سے اُس موقع پر حاضر تھے پھر یہ ظاہر ہے کہ نقل الفاظ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے اس کے لیے بڑے حافظہ کی ضرورت ہے، حقیقتہً نقل بالمعنی ہی ہے جس کے

یہ بھی اجتہاد و تقلید کا نظام ہے جو اس وقت قائم ہے یہی اُس وقت بھی قائم تھا بے شک اُس وقت اجتہاد آسان تھا اس لیے کہ ائمہ معصومین موجود تھے اور زیادہ شبہات و توہمات کے پردے حائل نہیں ہوئے تھے، اس وقت اجتہاد زیادہ مشکل ہو گیا ہے کیونکہ اختلافات کی کثرت، شبہات کی فراوانی اور عہد ائمہ سے بعد ہو گیا ہے لیکن اس سے حقیقت اجتہاد پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ تقلید کے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

مرکز تقلید کا انتخاب

جس قدر کسی معاملہ کی اہمیت زیادہ ہوگی اُسی قدر اُس کے متعلق اہتمام زیادہ ضروری ہوگا۔

تقلید کا تعلق مسائل دینیہ کے ساتھ ہے جس پر انسان کی معاش و معاد کا انحصار ہے اس لیے تقلید کے بارے میں یہ نہیں ہو سکتا کہ آنکھ بند کر کے جس کی چاہے تقلید کر لی جائے بلکہ ضرورت ہے کہ اس میں دقت نظر اور انتخاب سے کام لیا جائے۔

بعض لوگ تو اس میں اعلمیت کی شرط ضروری سمجھتے ہیں یعنی تقلید اُس شخص کی کرنا ضروری ہے جو تمام افراد اہل علم میں سب سے

یہاں (لیسمعوا) نہیں ہے جس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ "احادیث کو سنیں" اور اس کا تعلق پھر صرف روایت اخبار ہوتا بلکہ (لیتفقھوا) کی لفظ ہے یعنی سمجھیں۔ اس کا تعلق معانی سے ہے اور ان کا سمجھنا استنباط ہے۔ پھر جب وہ واپس جاتے ہیں تو انہی احکام کو اپنی قوم تک پہونچاتے ہیں اگر ان کے بتائے ہوئے احکام پر دوسروں کو عمل کرنا درست نہ ہو تو اس پہونچانے کا کوئی حاصل ہی نہیں ہے پھر صراحت کے ساتھ ارشاد ہوا ہے کہ وہ لوگ ڈریں یعنی ان کے بیانات سے متاثر ہوں اس کا عملی نتیجہ صرف یہ ہے کہ وہ ان احکام و فرائض کو بجا لانے لگیں۔ اسی کو تقلید کہتے ہیں۔

(احادیث)

احادیث میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔ ابان بن تغلب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا ہے یا ابان اجلس فی مسجد المدینۃ وافت الناس فانی احب ان یریٰ فی شیعتی مثلک "اے ابان مسجد مدینہ میں بیٹھا کرو اور فتوے دیا کرو کیونکہ مجھے پسند ہے کہ میرے شیعوں میں تمہارے ایسے لوگ دکھلائی دیں"

یونس بن عبد الرحمٰن کی طرف مسائل دینیہ میں رجوع کا حکم دیا۔

کہ جہاں اعلم اور غیر اعلم میں اختلاف ہو۔ لیکن ہر مجتہد جبکہ وہ خود صاحب رائے ہی یعنی ہر مسئلہ میں کچھ نہ کچھ اپنے مقام پر ٹکے ہوئے ہے تو وہ نقطۂ حقیقت اُسی کو سمجھے گا جو خود اُس کی رائے ہے اور اس کے علاوہ جو بھی ہو اُسے وہ خلاف واقع خیال کرے گا۔ یہاں تک کہ کسی بڑی سے بڑی ہستی کے فتوے کا اس کے سامنے ذکر کیا جائے تو وہ کہدے گا کہ اس مسئلہ میں اُن سے مسامحہ ہوا ہے یعنی اُن کی رائے صحیح نہیں ہے۔ نتیجہ کیا نکلا کہ اُن تمام مسائل میں جہاں اس سے اور کسی دوسرے مجتہد سے اختلاف ہے وہ حکم واقعی اُسی کو سمجھتا ہے جو اُس کی رائے ہے اور اس کے خلاف جس کا بھی فتویٰ ہو اُسے صحیح نہیں سمجھتا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر مجتہد چاہے وہ زبان سے نہ کہے لیکن اپنے مقام پر اپنے ہی تئیں زیادہ صائب الرائے خیال کرتا ہے جو اعلمیت کا معیار ہے۔

یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص تکلف سے اپنی اعلمیت کا دعویٰ نہ کرے لیکن اُس کے مجتہد ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف کسی رائے کو صحیح نہیں سمجھے گا پھر کسی دوسرے کی اعلمیت کے کیا معنی باقی رہتے ہیں۔

زیادہ صائب الرائے ہو مگر میرے نزدیک اعلم کی تشخیص انتہائی دشوار بلکہ غیر ممکن ہے۔ دشوار تو اس حیثیت سے ہے کہ اگر علمار کسی ایک شہر، ایک صوبہ یا ایک ملک میں منحصر ہوتے تو پھر بھی آسان تھا کہ ان سب کے بیانِ علم کو دیکھکر فیصلہ کیا جاسکے کہ اعلم کون ہے لیکن ایسے زمانہ میں جبکہ علمی دائرہ وسیع ہو چکا ہے اور مختلف ممالک میں علمار موجود ہیں ان سب کے اندر ایک اعلم کی تشخیص کرنا بہت دشوار ہے اور ناممکن ہے اس اعتبار سے کہتا ہوں کہ اعلم کی تشخیص کرنے والے عوام ہونگے یا مجتہدین ظاہر ہے کہ عوام تو تشخیص اعلم کر نہیں سکتے اس کو اگر سمجھ سکتے ہیں تو مجتہدین، مگر چونکہ اعلمیت کا دارو مدار کثرت محفوظات یا وسعت نظر وغیرہ پر نہیں ہے بلکہ اصابت رائے پر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مجتہد ہر ایک خود مسائل شرعیہ میں کچھ نہ کچھ نقطۂ نظر رکھتا ہوگا اور وہ لفظ حقیقت اُسی کو سمجھتا ہوگا جو اُس کی رائے کے موافق ہے اس لیے وہ سب سے زیادہ صائب الرائے اُس شخص کو خیال کرے گا جس کی رائے زیادہ مسائل میں اس کے نزدیک صحیح ہے یعنی خود اس کی رائے کے موافق ہے۔ لیکن اس سے واقعی اعلمیت کی تعیین کیونکر ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ غور کرنے پر ایک اور راز کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ کہ اعلمیت کا اثر جہان تک ظاہر ہوتا ہے وہ اُن مسائل میں

خلاف سمجھے، اس لیے اٹکل پر جواب دیدے اور کچھ نہ کچھ بتلا دے تاکہ اُس کی ناواقفیت کا پردہ چاک نہ ہو اور عوام اُسے عالم متبحر سمجھ لیں۔ بعض وقت سخن پروری سے کام لے اور جو بات منھ سے نکل گئی جا ہے بعد کو اس کی غلطی کا احساس بھی ہو پھر بھی پہلی بات پر قائم رہے اور صحیح رائے کا اظہار نہ کرے۔ ایسا شخص ہرگز قابل تقلید نہیں ہے۔ ضرورت ہے اس امر کی کہ اُسے اپنے فرائض کی اہمیت کا صحیح احساس ہو وہ واجبات اور محرمات کے بارے میں سختی سے پابند ہو اس کے ساتھ تحقیق مسائل میں جد و جہد سے کام لیتا ہو اغراض شخصیہ کو مسائل دینیہ میں دخل نہ دیتا ہو اور انانیت یا سخن پروری سے کبھی اصل حقیقت کے اظہار میں توقف نہ کرتا ہو ایسا شخص قابل تقلید ہے۔ ان ہی باتوں کے تحفظ کے لیے عدالت کی شرط ضروری قرار دی گئی ہے۔

(عدالت)

"عدالت" ایک باطنی چیز ہے جس کو "خوف خدا" "احساس فرائض" اور "جذبۂ طاعت" سے تعبیر کرسکتے ہیں لیکن وہ چونکہ دیکھنے کے قابل چیز نہیں اس لیے اس کے سمجھنے کا ذریعہ آثار ظاہری

تقلید کے لیے میرے نزدیک ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی معلومات اور دسترس کے حدود میں جس کے علم و عمل یعنی اجتہاد اور ورع و تقویٰ پر سب سے زیادہ اطمینان ہو اُس کی تقلید کی جائے زندگی کے ہر شعبہ میں یہی صورت ہے طبیب کی تلاش ہو گی تو ایسے کی جو فن طب میں مہارت رکھتا ہو۔ یہ علم ہے اور مریضوں کی طرف بے توجہی نہ کرتا ہو، ذاتی جذبات کی بنا پر علاج میں خرابی نہ ڈالتا ہو۔ یہ عمل ہے۔ مقدمہ کے لیے وکیل یا بیرسٹر کی ضرورت ہوتی ہے تو ایسے کی جو قانونی مہارت رکھتا ہو۔ یہ علم ہے اور رشوت لے کر فریق مخالف سے مل نہ جاتا ہو۔ یہ عمل ہے۔ تقلید مسائل دینیہ سے متعلق ہے اس لیے ضرورت ہے کہ وہ شخص عالم ہو یعنی قوت اجتہاد رکھتا ہو اور اس کے ساتھ عادل ہو یعنی اپنے فرائض کا پورا احساس رکھتا ہو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ ذاتی اغراض کی بنا پر احکام دینیہ میں تغیر و تبدل کر دے۔ راحت طلبی اور تن آسانی سے کام لے اور غور و فکر اور بحث و جستجو میں کوتاہی کرے، اس لیے مسائل غلط بتائے۔ کسی وقت مسئلہ معلوم نہ ہو یا ابھی اس میں غور نہ کیا ہو تو صاف صاف یہ کہہ دینا کہ مجھے اس وقت یہ مسئلہ پیش نظر نہیں ہے اپنی شان و عظمت کے

ہے۔ نہ کمال علمی میراث ہے جو خاندان میں تقسیم ہوتی ہو اور نہ ورع و تقویٰ متروکہ ہے جو ایک سے دوسرے کی جانب منتقل ہوتا ہو اور باپ دادا کے طرزِ عمل کی پیروی بھی نجات کی ذمہ دار نہیں ہے یہ انسان کے دین و دنیا کی فلاح کا مرحلہ ہے اس میں اُسے خود اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیئے۔

(تقلید کی عملی حیثیت)

تقلید کے معنی ہیں کسی مجتہد سے احکام مذہبی کو حاصل کر کے اُن پر عمل کرنا، اس کے لیے نہ کسی فہرست میں نام درج کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ مجتہد کو اطلاع دینے کی کہ میں آپ کا مقلد ہوتا ہوں۔

مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہاں عوام کے طبقہ میں تقلید ایک رسمی چیز سمجھ لی گئی ہے کسی مجتہد سے کہا یا تحریر لکھ کر بھیجی کہ ہم آپ کے مقلد ہوتے ہیں۔ بس اب وہ اُن کے مقلد ہو گئے پھر کبھی مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور نہ اُس کے فتاوے سے واقفیت ہی حاصل کی جاتی ہے۔

اُس تقلید کے نتائج دوسری صورتوں سے ظاہر ہوتے ہیں

یعنی ایمان و اعمال ہی ہو سکتے ہیں۔ کسی انسان کا عملی طور سے پابند شریعت ہونا کہ وہ واجبات کو ادا کرتا ہے۔ محرمات سے پرہیز کرتا ہے، اسی سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ عدالت کی صفت سے متصف ہے۔ اب یہ امر کہ وہ کہاں تک پابند شریعت ہے اس کے سمجھنے کی ایک صورت تو معاشرت ہے یعنی آپ ایک عرصہ دراز تک کسی کے ساتھ رہے ہیں اس کے تمام و کمال حالات سے مطلع ہیں اور آپ نے اتنے طویل عرصہ کی معاشرت میں یہ اندازہ کیا ہے کہ اسے احساس فرائض کافی طور پر موجود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص جن کی عدالت کو آپ اسی صورت پر سمجھ چکے ہوں وہ کسی شخص کی عدالت کی گواہی دیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے متعلق کثرت سے لوگ اچھے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور عموماً اس کے ورع و تقویٰ کا اعتراف کیا جاتا ہو جس سے انسان کو اس کے متعلق اطمینان پیدا ہو جائے۔

یہ وہ صورتیں ہیں جن سے کسی شخص کی عدالت ثابت ہو سکتی ہے یہ طریقہ کار کہ ہم کسی خاندان کے مقلد ہیں لہذا اس خاندان میں جو بھی فرد ہو اسی کی تقلید کرینگے یا یہ کہ ہمارے بزرگ کسی کے مقلد تھے لہذا ہمیں بھی اسی کی تقلید کرنا چاہیئے ہرگز درست نہیں

بعض مسائل میں ایک مجتہد کی تقلید کی جائے اور بعض میں دوسرے کی کیونکہ اکثر مسائل ایسے ہیں جو باہم دست و گریباں ہیں اور لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مقلد یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کون سے مسائل ہیں، اگر اس نے دو چار آدمیوں کی مختلف مسائل میں تقلید کی تو بسا اوقات یہ صورت پیش آئے گی کہ ایسے مسئلوں میں جو باہم تعلق رکھتے ہوں یہ تفریق کر دے گا اس طرح کہ ایک مسئلہ میں ایک مجتہد کے فتوے پر عمل کرے گا اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے مجتہد کے فتوے پر جو اس کے مخالف ہے۔ نتیجۃً اس کا عمل وہ ہوگا جو دونوں کے نزدیک باطل ہے۔

یہ ویسا ہے جیسے آپ کو ایک مکان بنوانا ہے اس میں ظاہر ہے کہ دو رُخ ہوں گے ایک مشرقی اور ایک مغربی۔ آپ ایک انجینیر کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اس کے مشرقی پہلو کا نقشہ بنا دو، اس نے جو خاص چیزیں ہیں مثلاً دالان کمرے رہنے کے اس طرف بنا دیئے اور اس کے ذہن میں یہ ہے کہ دوسرے ضروریات کے مقامات جیسے حمام، باورچی خانہ، پائخانہ وغیرہ دوسری طرف بن جائیں گے۔ اس کے بعد آپ دوسرے انجینیر کے پاس گئے اور بغیر پہلے نقشہ کے دکھلائے ہوئے مغربی جانب کا

خدانخواستہ کسی عزیز کا انتقال ہو جائے گا تو تقلید یاد آئے گی۔ ہم فلاں مجتہد صاحب کے مقلد ہیں اس لیے نماز جنازہ وہی پڑھائیں گے ماشاء اللہ عقد نکاح کی تقریب ہو گی تو عقد پڑھوانے کے لیے اُن مجتہد صاحب کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے گا اور اپنی تقلید کا واسطہ دیا جائے گا۔ بچہ کے ختنہ میں دعا پڑھوانا۔ ضرورت کے وقت استخارہ دکھلوانا، یہ وہ فرائض ہیں جو مجتہدین کے سمجھ لیے گئے ہیں۔

حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں جن میں مجتہد کی ضرورت نہیں ہے بغیر اس کے بھی انجام پا سکتی ہیں مگر احکام شرعیہ کی معرفت جو مجتہدین پر خصوصیت کے ساتھ موقوف ہے اُس سے کوئی غرض نہیں ہے۔

تقلید کا جو میں نے معیار بتلایا ہے کہ جس شخص پر سب سے زیادہ اطمینان ہو اُس کی تقلید کی جائے۔ اس کے بعد یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تقلید کے لیے ایک شخص کی تخصیص کس لیے؟ ظاہر ہے کہ وہ فرد اکمل جس پر سب سے زیادہ اطمینان ہے وہ محدود ہی حیثیت رکھتی ہو گی۔ یہ تو احکام شرعیہ کو بالکل معمولی چیز سمجھ لینا ہے کہ جو بھی عبا بردوش۔ قبا دربر اور عمامہ برسر مل جائے اُسی سے مسئلہ دریافت کر لیا جائے۔

میں تقلید کے حصے بخرے کرنے کا بھی حامی نہیں ہو سکتا یعنی

حالانکہ ان میں سے ہر ایک سے اگر بخار و درد دونوں کا ایک ساتھ علاج کرایا جاتا تو دونوں اس کا علاج صحیح طریقہ سے کر دیتے اور صحت حاصل ہوتی۔

بالکل یہی صورت ہے مسائل شرعیہ کی بعض احکام ایسے ہیں جو ظاہر میں مختلف شعبوں سے متعلق ہیں مگر حقیقتہً وہ ایک ہی اصل پر مبنی ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو کہ ماہ صیام کی کسی شب اگر غسل کی ضرورت ہو جائے اور غسل سے قاصر ہو تو تیمم بدل غسل کرنے کا حکم ہے۔ اس تیمم کے بعد اکثر علماء کا قول ہے کہ سونا جائز نہیں ہے یعنی اگر سو جائے گا تو وہ تیمم باطل ہو جائے گا اور پھر روزہ درست نہیں ہوگا دوسرا قول جو بظاہر میری نظر میں قوت رکھتا ہے یہ ہے کہ سونا جائز ہے اور روزہ کے بطلان کا سبب نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بظاہر روزہ کے احکام سے متعلق ہے آپ نے اس مسئلہ کو کسی عالم سے دریافت کیا انھوں نے کہا کہ سونا جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ نے ان کی تقلید کی اور تیمم کرنے کے بعد آرام فرمایا۔

دوسرا یہ مسئلہ ہے کہ سو کر جب آنکھ کھلے اور نماز صبح پڑھنا ہو تو اب وضو کرے یا تیمم بدل غسل کرے۔

نقشہ بنانے کی اُس سے خواہش کی، اُس نے بھی وہی زیادہ اہم اور ضروری چیزیں اس طرف بنا دیں اور اس کے خیال میں یہ ہے کہ وہ دوسری چیزیں مشرق کی طرف بن جائیں گی آپ نے یہ دونوں نقشے لیے اور ان کے مطابق مکان تیار کرایا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف کمرے، دالان متعدد موجود مگر مکان بھر میں حمام، پائخانہ، باورچی خانہ اور دیگر ضروریات کی تمام چیزیں بالکل ندارد۔ یہ نتیجہ کاہے کا ہے۔ ایک مکان کے دو حصے کرکے دو انجینیروں سے نقشہ بنوانے کا۔ پورے مکان کا نقشہ اگر دونوں میں ہر ایک جو بناتا وہ اپنے اپنے محل پر درست ہوتا مگر دونوں نقشوں کے مل جانے سے نتیجہ وہ ہوا جو دونوں ہی کے نزدیک غلط ہوگا۔

یوں ہی کسی شخص کو بخار ہو اور کسی خاص جگہ درد ہو، ایک حکیم کے پاس جائے اُس سے درد کا تذکرہ کرے اور اُس کے لیے دوا تجویز کرالے۔ دوسرے حکیم کے پاس جائے اور اُس سے صرف بخار کو بیان کرے اور اس کا نسخہ لکھوالے پھر ان دونوں دواؤں کا استعمال کرے۔ اکثر اوقات یہ صورت انتہائی مضرت رساں ثابت ہوگی اور بعض اوقات مہلک ہوسکتی ہے

پر کسی کے نزدیک درست نہیں ہے ۔ اور آپ نے جو طرز عمل اختیار کیا اُس کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یا آپ کا روزہ باطل ہو گیا اور یا نماز اور اس اجمالی یقین کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کو نماز کی بھی قضا کرنا چاہیئے اور روزہ کی بھی۔

یہ کس بات کا نتیجہ ہے ؟ اس امر کا کہ آپ نے آشیان عمل کو دو عملہ میں ڈال دیا اب چونکہ آپ نہیں سمجھ سکتے کہ کون مسائل باہم وابستہ ہیں اور کون غیر متعلق، اس لیے آپ کے واسطے تو صحیح طریقہ کار یہی ہے کہ آپ ایک ہی مجتہد کے مقلد ہو جایئے پھر جس مسئلہ میں وہ خود اجازت دے کہ آپ کسی دوسرے شخص کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اُس میں دوسرے شخص کی طرف، وہ بھی وہ جس پر اُسی طرح کامل اطمینان ہو رجوع کرنا جائز ہو گا ۔

(تقلید میت؟)

ایک امر جس کے متعلق اکثر شبہہ واقع ہوتا ہے وہ تقلید میت کا مسئلہ ہے اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ کسی زندہ مجتہد ہی کی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔ بقا بر تقلید میت کو تو بعض علماء بھی جائز سمجھتے ہیں مگر جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتہً خود

ظاہر میں یہ مسئلہ طہارت کا ہے اور نماز سے متعلق ہے۔ آپ نے اس کو دوسرے عالم سے پوچھا اُنھوں نے فرمایا کہ نماز کے لیے پھر تیمم بدل غسل کرنا چاہیے آپ نے اُن کی تقلید کی تیمم بدل غسل کر لیا اور نماز پڑھ لی۔

حالانکہ حقیقتہً یہ دونوں مسئلے بالکل ایک چیز سے متعلق ہیں اور آپ کا طرز عمل جو ہوا وہ کسی عالم کے فتوے کے اعتبار سے صحیح نہیں اصل اختلاف جو ہے وہ یہ کہ تیمم غسل کے لحاظ سے بدل تام ہے یا بدل ناقص اور وہ حدث اصغر کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے یا نہیں جو لوگ قائل ہیں کہ وہ بدل تام ہے اُن کے نزدیک سونا جائز ہے لیکن اس کے بعد نماز کے لیے وضو کرنا چاہیے جس طرح اگر غسل کیے ہوئے ہوتا تو وضو کرنا لازم تھا۔ یا اگر وضو نہ کر سکتا ہو تو تیمم بدل وضو کرنا چاہیے لیکن جو لوگ بدل ناقص قرار دیتے ہیں اُن کے نزدیک سونا جائز نہیں، اور اگر سو جائے تو نماز کے لیے پھر تیمم بدل غسل کرنا چاہیے اس لیے کہ وہ پہلا تیمم باطل ہو گیا اور اب پھر یہ اُسی نجاست میں مبتلا ہو گیا جس میں اس کے پہلے تھا۔

آپ سو تو گئے مگر نماز کے لیے وضو نہیں کیا، تیمم بدل غسل کیا

کوئی حکم نہیں پایا جاتا جس میں اموات بھی داخل ہو سکتے ہوں۔
رہ گیا عقلی فیصلہ کہ ناواقف لوگ واقفکار افراد کی طرف رجوع کریں اسکے لحاظ سے جس قدر نقطۂ حقیقت تک پہونچنے کا زیادہ گمان ہوگا، اُسی کو ترجیح حاصل ہوگی۔
زمانہ کے گزرنے کے ساتھ افکار میں توسعہ ہوتا ہے اور سابقین کے نتائج نظر و فکر جو لاحقین تک پہونچتے ہیں پھر ان کی تحقیق و تدقیق سے ان میں بہت سے دروازے نئے کھلتے ہیں اور بہت سے شعبے بحث و نظر کے جدید پیدا ہوتے ہیں اس لیے زندہ اشخاص کی طرف جو علم و کمال میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں مسائل دینیہ میں رجوع کرنا واقع تک پہونچنے کا زیادہ قریب ذریعہ ہے۔ پھر ایک مجتہد کے فتوے کی لفظوں میں اکثر مقلدین کو دھوکا ہوتا ہے اگر مجتہد زندہ ہے تو اُس سے دریافت ہو سکتا ہے کہ اُس کا مطلب کیا ہے اور اگر انتقال ہوگیا تو کیا کیا جائے؟ یاد رکھیے کہ فرقۂ شیعہ میں علم فقہ کو جو حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے وہ صرف اسی کا نتیجہ ہے کہ تقلید اموات جائز نہیں رکھی گئی۔ ورنہ آج علم فقہ اُسی نقطہ پر نظر آتا جو ابن جنید اسکافی اور ابو عقیل عمانی وغیرہ کے نظریات میں محدود تھا جن میں سے اکثر کا مخالف حقیقت ہونا اس وقت

تقلید کا جواز اصل اور قاعدہ پر تو مبنی ہے نہیں۔ قاعدہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہر شخص خود مسائل دینیہ کی واقفیت اور تحقیق کا ذمہ دار ہوتا۔ یعنی مجتہد ہونا ہر شخص کے لیے ضروری ہوتا۔ مگر چونکہ یہ امر نظام زندگی کے خلاف ہے اور دوسرے ضروریات کے معطل ہو جانے کا باعث۔ اس ضرورت کی بنا پر تقلید کی اجازت ملی ہے لیکن جو بات ضرورت کی بنا پر ہوتی ہے وہ ضرورت ہی کے دائرہ میں محدود ہوتی ہے اور اس سے زیادہ آگے بڑھنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ تقلید کے جو دلائل ہیں وہ تقلید اموات کا بھی فتوے دیتے ہیں یا نہیں۔

ان میں ایک تو نقلی دلائل ہیں جیسے آیت قرآن (فلولا نفر من کل فرقہ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین) یا وہ احادیث جن میں ابان بن تغلب کو فتوے جاری کرنے کی ہدایت کی گئی ہے یا یونس بن عبدالرحمٰن کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ بالکل ظاہر ہے کہ ان دلائل کا محل ورود صرف زندہ ہی اشخاص ہیں اپنے اپنے مقامات سے سفر کرنے والے لوگ بھی زندوں کی جماعت ہیں اور ابان بن تغلب اور یونس بن عبدالرحمٰن بھی زندہ ہی تھے جب ان کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بطور کلیہ

وہ نماز ہے۔ اب سب سے پہلے جو وقت نماز کا آئے اُس میں واجبی طور پر نماز ادا کرنا ہے۔ نماز کے لیے شرع کی جانب سے مقدمات قرار دیئے گئے ہیں جن پر نماز کی صحت موقوف ہے ان شرائط میں بعض تو وہ ہیں جو نماز کے ساتھ ساتھ عمل میں لائے جاتے ہیں لیکن نماز سے پہلے جس چیز کا حاصل کرنا ضروری ہے وہ "طہارت" ہے اور "طہارت شرعیہ" یعنی وضو اور غسل کے لیے لباس جسم کے پاک ہونے کی ضرورت ہے اور پاک ہونے کا لحاظ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ نجاسات معلوم نہ ہوں۔ جن کے متصل ہونے سے انسان کا جسم یا لباس نجس ہو سکتا ہے اس لیے سب سے پہلے ضرورت ہے کہ نجاسات کا علم حاصل کیا جائے۔

(نجاسات)

بچوں کو احکام شرعیہ میں سب سے پہلے اس کا معلوم کرنا ضروری ہے اس لیے کہ بالغ ہونے کے موقع پر وہ طہارت شرعیہ حاصل کر سکیں اور نیز اس لیے کہ نجاست ایسی چیز ہے جو متعدی ہے یعنی وہ کمسنی میں گناہگار نہ ہوں گے مگر اُن کی نجاست گھر بھر میں پھیل جائے گی اور اُس کا اثر والدین کے اعمال پر پڑے گا۔

دیہات میں داخل ہو گیا ہے۔ فرقۂ شیعہ میں وہی عقلی جمود نظر آتا کہ جو دوسری جماعتوں میں احکام شرعیہ کے بارے میں موجود ہے اس بنا پر کہ انھوں نے اپنی علمی و اجتہادی طاقتوں کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دیا ہے، اُن چند آدمیوں کے انتخاب سے جن کے بوسیدہ کاندھوں پر قیامت تک کے افراد کے عمل کا بار رکھ دیا گیا ہے۔

(عمل کی پہلی منزل)

تقلید صحیح طریقہ پر ہو گئی یعنی ایک جامع الشرائط مجتہد کے فتاوے کو حاصل کر لیا گیا۔

خواہ اس کتاب کو دیکھ کر جس میں اس کے مسائل مجتمع ہیں اور خواہ اُس سے زبانی پوچھ کر اور خواہ ایک ایسے شخص کو دریافت کر کے جسکو اس مجتہد کے فتاوے محفوظ ہیں۔ ایسے لوگوں کو عراق و ایران میں "مسئلہ گو" کہا جاتا ہے انھیں مجتہد کے فتاوے اس قدر محفوظ ہوتے ہیں کہ بسا اوقات خود مجتہد کو اُتنے ہر وقت پیش نظر نہیں رہتے افسوس ہے کہ ہندوستان میں اس کی رسم نہیں ہے اس لیے کہ یہاں مسائل دینیہ اور احکام شرعیہ کے لیے وہ مقبولیت ہی حاصل نہیں ہے۔ تقلید کے بعد سب سے پہلا اہم فرض جو سامنے آتا ہے

چنانچہ شرع نے بھی تفرقہ رکھا ہے یعنی اس بچہ کے پیشاب کے لیے جو غذا نہ کھاتا ہو باقاعدہ دھونے کی شرط نہیں رکھی ہے بلکہ صرف پانی ڈال دینا طہارت کے لیے کافی سمجھا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نجاست کا حکم کسی سمیت یا مضرت کی بنا پر ہو، اس میں بظاہر داخل ہے۔ کتے اور سور کی نجاست کا حکم، بلکہ اس میں اتنی شدت ہے کہ کتا اگر برتن کو چاٹ لے یا منہ ڈال دے تو جب تک تین مرتبہ مٹی سے مانجھ کر پانی سے پاک نہ کیا جائے نہیں پاک ہوگا۔

آج جبکہ طبی تحقیقات ترقی کے نقطہ پر ہے یہ منکشف ہوا کہ کتے کے لعاب میں ایسے جراثیم ہیں جن کی قاتل صرف مٹی ہی ہو سکتی ہے اور کچھ نہیں، سور کے متعلق بھی اگر اب نہیں تو کبھی اس طرح کا انکشاف ہونا قابل تعجب نہیں ہوگا۔ میتہ کی نجاست بھی غالباً اسی بنا پر ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نجاست کا حکم کسی شئے سے طبیعت کو متنفر بنانے کے لیے ہوتا کہ اس کے استعمال سے ممانعت کے مفاد کو قوت حاصل ہو جائے۔ شراب کی نجاست کا حکم اسی حیثیت کا ہے بات یہ ہے کہ شراب کا کیف، شراب کی مسرت

نجاست کے معنی اور اُس کا فلسفہ

نجاست کے معنی گندگی یا کثافت یا میلے پن کے نہیں ہیں۔ نہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ کوئی صفت ہے جو بذات خود کسی شئے میں پائی جاتی ہے بلکہ وہ ایک شرعی حکم ہے جیسے حلّت حرمت وغیرہ جو مختلف مصالح کی بنا پر شرع کی جانب سے قرار دیا جاتا ہے۔

اس کی نوعیتیں حسب ذیل ہوسکتی ہیں۔

(پہلے) یہ کہ حکم نجاست کا باعث واقعی گندگی اور کثافت ہو جو کسی شئے میں پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عموماً متمدن اور مہذب اشخاص اُس سے کراہت رکھتے ہیں چاہے وہ کسی خاص مذہب کے پابند نہ ہوں۔ اور شرع چونکہ فطرت کی ترجمان ہے اس لیے اُس نے بھی ان چیزوں کو نجس قرار دیا ہے اس ذیل میں داخل ہیں پیشاب یا پاخانہ وغیرہ اسی لیے جہاں پر یہ کراہت طبیعت کی اور گندگی کم ہے وہاں نجاست کا حکم بھی ہلکا ہے مثلاً دودھ پیتا ہوا بچہ جو ابھی غذا نہ کھاتا ہو اُس کے پیشاب سے فطرۃً طبیعت اُتنی متنفر نہیں ہوتی جتنی ایک بڑے غذا کھانے والے بچے یا بوڑھے آدمی کے پیشاب سے۔

ترک کرنے کے لیے بیچین رہے گا اور اس طرح اُس کے بلاضرورت استعمال کے جو مضر اثرات ہیں اُن سے محفوظ رہے گا اور شرع کی طرف سے اس کے حرام ہونے میں جو مفاد مضمر ہے وہ بدرجہ اتم حاصل ہوگا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اسکے علاوہ کوئی اور مصلحت ہو جو اصل میں کسی اور شئے کے ساتھ متعلق ہو لیکن وہ اس شئے کی نجاست کے ذریعہ حاصل ہوتی ہو۔

اس ذیل میں میرے نزدیک نجاست کفار کا حکم ہے۔

(نجاست کفار)

چونکہ اس مسئلہ میں بدقسمتی سے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے اور بعض روشن خیال افراد خود ہماری جماعت میں سے اس مسئلہ کی مذہبی حیثیت سمجھنے کے خواہش مند ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ اس پر ایک واضح تبصرہ کیا جائے سب سے زیادہ واضح صاف اور روشن دلیل اس مسئلہ کی آیت قرآن ہے۔ انما المشرکون نجس "مشرکین بس ہمہ تن نجاست ہیں۔"

اور شراب کی بے خودی جو برابر گردش دیتی رہی ہے وہ انسان کی طبیعت کو لبھانے اور تحریک استعمال پیدا کرنے کا بہت قوی ذریعہ ہے اس کے خلاف صرف نجاست کے حکم کی بنا پر طبیعت کو اس سے وہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ ایک پابند شرع انسان کا دل اُس کو چاہتا نہیں یہاں تک کہ حالت مرض اور انحصار علاج میں جبکہ بضرورت اُس کا پلانا جائز ہو جاتا ہے اُس وقت بھی نجاست قائم رہتی ہے کیونکہ یہ ایک طبعی بات ہے کہ جو کام انسان چند بار کرے اُس سے وہ مانوس ہو جاتا ہے اور پھر بلا ضرورت بھی اُس کی طرف رغبت کرتا ہے لیکن اگر یہ استعمال جو بضرورت ہے برابر اس احساس کے ساتھ ہو کہ یہ ایک قابل نفرت چیز ہے جسے بضرورت استعمال پہ مجبور ہو رہا ہوں تو عوض مانوس ہونے کے انسان بےچین رہے گا کہ کسی طرح یہ ضرورت ختم ہو اور میں اس چیز کو ترک کر دوں جیسے انتہائی تلخ دوا جو کسی مریض کو پینا پڑے وہ برابر طبیب سے اصرار کرتا رہے گا کہ خدا کے لیے جلد اس کو موقوف کیجیے اسی طرح نجاست ایک روحانی تلخی پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے انسان استعمال پہ مجبور بھی ہو تو وہ جلد از جلد اُس کے

جو کچھ بھی اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے وہ مشرکین کے
دائرہ کی وسعت، اور یہ کہ اس میں کون جماعتیں داخل ہو سکتی ہیں
ہمارے ملک کے باشندے ہندو بظاہر بت پرست ہیں مگر ان
میں کے ایک روشن خیال طبقہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم ان
بتوں کو خدا تھوڑی سمجھتے ہیں ہم خدا تو واحد حقیقی ہی کو قرار دیتے
ہیں اور یہ بت صرف اس کی یاد کا ایک ذریعہ ہیں اس طرح
وہ موحد بن جاتے ہیں اور اپنے تئیں منکر کے دائرہ
سے خارج کر لیتے ہیں۔

یہود اور عیسائی اہل کتاب ہیں اس لیے وہ بھی مشرکین
کے تحت میں داخل نہیں ہوتے۔

مگر جس وقت ہم غور کرتے ہیں اور قرآن کے دوسرے آیات
کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے رو سے یہ تمام
جماعتیں منکر کے تحت میں داخل ہیں۔

باوجودیکہ ان میں کے عام افراد اس تاویل سے بالکل بے خبر
ہیں اور وہ اصنام کو یقیناً معبود حقیقی سمجھتے ہیں اور یہ تاویل صرف
ایک محدود تعلیم یافتہ جماعت کی طرف سے ہے جو اپنے آبائی طرز عمل
کو اپنی منطقی قابلیت سے معقولیت کا لباس پہناتے ہیں۔ اس کے

اس میں ان کے نجس ہونے کا بہت قوت کے ساتھ اظہار ہے
بات یہ ہے کہ نجس جیم کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے۔ مصدر کو
کسی ذات کی صفت قرار دینا حقیقی طور پر درست نہیں ہوتا مثلاً زیدٌ
عدلٌ یعنی زید عدالت ہے، بے شک اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ
وہ انتہائی حد تک عادل ہے اتنا کہ گویا مجسم عدالت بن گیا ہے
اسی طرح مذکورۂ بالا آیت میں کہنا تو یہی منظور ہے کہ مشرکین
نجس ہیں مگر اسی نجس ہونے کا اظہار انتہائی قوت کے ساتھ
یوں کیا گیا ہے کہ وہ گویا مجسم نجاست ہی ہیں اور انّما کلمۂ
حصر ہے جس سے یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی پہلو
طہارت کا ہے ہی نہیں اور ہر حیثیت سے نجاست ہی نجاست ہے
لفظ نجاست کا تعلق خارجی اشیاء کے ساتھ جب ہو تو
اُس کے فطری معنی عرف عام اور شرع کے لحاظ سے مادی ہی
نجاست کے ہوتے ہیں۔

سوادِ اعظم کا یہ کہنا کہ مشرکین کی روح اور اُن کے دل
نجس ہیں ایک ایسی تاویل ہے جو الفاظ کے ظاہری مفہوم پر
ہرگز منطبق نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ ائمہ اہلبیتؑ نے جو قرآن کے
حقیقی مفسّر تھے اس تاویل کی کوئی حمایت نہیں کی ہے۔

تاویل اُس کی کریں وہ مشرک کی تعریف سے خارج نہیں ہو سکتے رہ گئے یہود و نصاریٰ، ان کو قرآن مجید میں صراحتہً کئی مقام پر مشرک بتایا گیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ وقالت الیھود عزیر ابن اللہ۔ آخر میں ہے تعالیٰ اللہ عما یشرکون۔

اور عیسائیوں کے لیے عیسیٰ سے خطاب نقل کیا گیا ہے ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ اور خود عیسائیوں کو مخاطب کر کے ارشاد ہے لا تقولوا ثلثۃ انتھوا خیرا لکم انما اللہ الٰہ واحد۔

اس میں صاف عقیدۂ عیسائیت کو توحید کا مقابل قرار دیا گیا ہے اور اسی سے آپ کو معلوم ہوگا کہ آریہ جماعت چونکہ خدا کے ساتھ روح و مادہ کو قدیم مانتی ہے تو وہ بھی عیسائیوں کی ہم قدم ہے اور ایران کے پارسی نور و ظلمت کے مبدأ عالم ماننے کی بنا پر مشرک قرار پاتے ہیں۔ پھر روایات صحیحہ جن میں علی بن جعفر محمد بن مسلم کے روایات اور سعید الاعرج کا موثقہ ہے صراحتہً مجوس کو نجس بتلاتے ہیں اور دیگر معتبر احادیث سے یہود و نصاریٰ کی نجاست کا حکم بھی ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی نا وبل عرب کے جاہل کفار بھی اپنی بُت پرستی کے متعلق پیش کرتے تھے چنانچہ قرآن مجید نے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفیٰ "ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ہم اللہ کا تقرب حاصل کریں" اس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے نزدیک اللہ کی ہستی ایک جداگانہ وجود رکھتی ہے اور وہ اصنام کو اُس سے متحد ہرگز خیال نہیں کرتے۔ ایک جگہ ہے۔ لئن سألتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللّٰہ۔

"اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ کہیں گے اللہ نے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصنام کو خالق کائنات بھی نہیں سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں شرک فی الالوہیتہ یعنی معبود حقیقی بجز اللہ کو سمجھنا اور دوسری چیز ہے شرک فی العبادہ یعنی عملی طور پر اپنی عبادت کو غیر خدا کے لیے بجا لانا"

پہلی قسم کے شرک کی مرتکب ظاہر ہے ظاہر دنیا کی کوئی جماعت نہیں قرآن نے جس کو مشرک کہا ہے وہ دوسرے ہی قسم کے مرتکب ہیں اور اس طرح ہندو جو بت پرستی کے قائل ہیں، کوئی بھی

تردد تھا کہ خرید و فروخت اور تجارتی معاملت ان یہودیوں
کے ساتھ کرنا بھی ہمارے لیے درست نہیں ہے۔ آپ نے
نے آکر اس شبہہ کو دور کیا اور بتایا کہ ان کے ساتھ معاملت
اور خرید و فروخت لین دین میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔
اس کو طہارت و نجاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ
کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اگر اہل کتاب نجس ہوتے تو اس
حکم میں قید لگانے کی ضرورت تھی اور جبکہ حکم مطلق ہے
اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز
اُن سے لینا جائز ہے۔ یہ استدلال اس لیے درست نہیں
ہے کہ کسی لفظ کی عمومیت سے انہی حیثیتوں میں فائدہ اُٹھانا
صحیح ہے کہ جن کے لحاظ سے وہ حکم دیا گیا ہے۔
فرض کیجیے قرآن مجید میں کتے کے شکار کی حلت کا حکم
ہے ان الفاظ میں کہ وما علّمتم من الجوارح مکلّبین تعلّمونھن
مما علّمکم اللّٰہ ۔ اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ جس
مقام پر کتے کا منہ پڑے اس کو پاک کر لیا جائے۔ مگر اس
سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ کتے کا منہ پاک ہے اس لیے
کہ حکم اس لحاظ سے ہے ہی نہیں، وہاں مقصود صرف یہ ہے

اس کے خلاف پیش کی جاتی ہے یہ آیت کہ۔

طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم

"کھانا اُن لوگوں کا جنھیں کتاب دی گئی ہے تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے"

مگر جب غور کیا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا طہارت و نجاست کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ دیکھیے تو اگر اس کا طہارت کے حکم سے تعلق ہوتا تو پہلا جزو تو بالکل ٹھیک ہے کہ اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے جائز ہے مگر دوسرا جزو بالکل بھرتی کا اور بے کار ہوتا ہے کہ "تمھارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے" اس سے کیا اہل کتاب کو فتوے دینا مقصود ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کو پاک سمجھیں۔ بلکہ ان دونوں ٹکڑوں پر برابر سے نگاہ ڈالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ایک دوسرا ہی ہے۔

بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں غلّہ کی تجارت زیادہ تر یہود و نصاریٰ سے متعلق تھی۔ مسلمانوں کو کثرت سے آیات میں کفار کی موالات اور کسی طرح سے بھی اُن کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے سے منع کیا گیا تھا اس لیے ان کو یہ

یعنی خشک اناج اور پھل اور تر کاریاں، اس کے بعد کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ اس آیت کی نگاہ صرف خرید و فروخت پر ہے اور طہارت و نجاست سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ دیکھئے کہ یہ حکم مسلمات مذہب شیعہ سے رہا ہے اس طرح کہ اہلسنت کے مقابلہ میں گویا اس فرقہ کا مابہ الامتیاز ہے جیسے مسئلہ متعہ۔ تقیہ وغیرہ یہ وہ مسائل ہیں جن میں متقدمین اور متاخرین علمائے مذہب شیعہ کا اتنا بڑا اجماع ہے کہ وہ بطور مسلمات شعار مذہب شیعہ سے سمجھے جاتے ہیں۔ غور کیجئے اصول درایت پر تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ نجاست کا مسئلہ فرقہ شیعہ میں اگر کسی جذبہ کی بنا پر تراشا ہوا سمجھا جائے تو وہ کیا جذبہ ہو سکتا ہے؟ صرف تعصب اور منافرت لیکن سچ بتایئے کہ فرقہ شیعہ کو اپنے ہم ملت مسلمانوں کی جماعت سے جو فرقہ شیعہ کی مخالف تھی زیادہ نقصانات پہونچے یا یہود نصاریٰ مجوس اور ہندوؤں سے تاریخ بتلاتی ہے کہ شیعہ فرقہ کو دنیا کی کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں وہ صبر آزما مصائب برداشت نہیں کرنا پڑے جو غیر شیعہ مسلمانوں کے ہاتھوں۔ آج بھی اگر کسی شیعہ سے پوچھیے کہ تمھارے لیے انگریز اچھے ہندو اچھے یا دوسرے مسلمان

کہ اُس جانور کو تم حلال سمجھو اور وہ مردار نہیں ہے کہ اُس کا کھانا حرام ہو رہ گیا ہے کہ کُتّے کا منھ نجس ہے، یہ اپنے موقع پر ثابت ہے اور بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں جو کچھ بھی کہا جا رہا ہے وہ یہ کہ اُن کے ساتھ خرید و فروخت اور تعلقات تجارتی قائم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن یہ کہ کون چیزیں اُن کے ہاتھ کی پاک ہوں گی۔ کون چیزیں نجس ہوں گی یہ ہرگز اس آیت میں بتایا نہیں جا رہا ہے۔ دیکھئے تو کہ اہل کتاب کے کھانے میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو خصوصیت سے مسلمانوں کے لیے حرام ہیں جیسے سور کا گوشت وغیرہ تو کیا اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان چیزوں کا بھی لینا جائز ہے کیونکہ آیت میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اسی طرح وہ چیزیں کہ جو ہاتھ لگنے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہیں اس طرح کہ اُن کی طہارت بھی ممکن نہیں ہے اس آیت کے عموم کی بنا پر اُن کا لینا جائز نہیں قرار پا سکتا۔

اور پھر احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام نے جن میں صحیح حسن اور موثق ہر طرح کے معتبر روایات موجود ہیں بتلا دیا ہے کہ اس آیت میں طعام سے مراد حبوبات و فواکہ وبقول بعض

ساتھ ہم کو اکل و شرب اور تعلقات معاشرت جائز ہیں اور ایک غیر مسلم سے ہم کو اکل و شرب جائز نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ کسی جذبۂ نفسانی پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ایک خالص اسلامی تعلیم ہے جو شیعوں کو اپنے ائمہ کی زبانی پہونچی ہے اور وہ اس پر بلا کسی ذاتی جذبہ کی کارفرمائی کے قائم رہے ہیں، اور اہلسنت جو کفار کو پاک سمجھنے لگے ہیں وہ ملوکیانہ سیاست کا نتیجہ ہے جس کے تحت میں اُن کو ضرورت تھی کہ وہ ممالک غیر اور اُمم خارجہ سے تعلقات قائم کریں لہذا اصُول جہانبانی کے تحت میں اُن کو ضرورت ہوئی کہ وہ اسلام کے حکم محکم کی خواہ مخواہ تاویل کریں اور اپنے لیے کفار کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا راستہ کھول لیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے اس حکم کی مصلحت کیا ہوسکتی ہے یہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ نجاست ایک حکم شرعی ہے جس کے لیے شے میں کسی گندگی یا سمیت کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے بہت سے مصالح ہوسکتے ہیں۔

کفار کو نجس قرار دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُن میں کسی طرح کی گندگی ہے ہرگز نہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ کوئی غیر مسلم انسان

تو وہ دنیا کی دوسری قوموں کو ترجیح دے گا اس لیے کہ اُن کے ہاتھ سے اُسے کوئی خاص تکلیف نہیں پہونچی ہے۔ مگر سُنی مُسلمانوں کے نام سے۔

شیعوں کی آنکھ میں بغداد کے فتنہ خانے اور بنی عباس کے مظالم اور قصر حمرا کی دیواریں جن میں سادات کے خون کا گارا دیا گیا اور بغداد کی دیواریں جن میں سادات زندہ چُنے گئے اور سُلطان سلیم عثمانی کے حکم سے ستر ہزار شیعوں کا قتل عام اور اورنگ زیب کا خنجر رافضی کُش اور جہانگیر کے ہاتھوں قاضی نور اللہ شوستری کا قتل وغیرہ یہ سب واقعات پیش نظر ہو جاتے ہیں اور جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ان حالات میں ظاہر ہے کہ شیعوں کو تعصب، نفرت اور عناد جو کچھ بھی ہو سکتا تھا وہ ان مسلمانوں سے نہ غیر مسلم افراد سے جن سے شیعوں کو اگر امداد نہ بھی پہونچی ہو تب بھی کوئی تکلیف نہیں پہونچی۔ اس کے باوجود جب ہم شیعہ فقہ اور روایات مذہبی میں مسلمہ طور پر یہ دیکھتے ہیں کہ وہ سُنی مُسلمانوں کو باوجود دیکھ اُن کی تلواریں ان کی گردنوں پر رہیں پاک کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ چاہے ہمارے قاتل کیوں نہ ہوں مگر محمد رسول اللہ کے نام لیوا اور کلمہ گو ہیں اس لیے ان کے

اس کے لئے غیر مسلمین کی نجاست کے حکم کی تشریع کی گئی ہے اس سے مقصود مسلمانوں کو اُن چیزوں سے علیحدہ رکھنا تھا جو ان کے لئے ممنوع قرار دی گئی ہیں اور غیر مسلمین اُن کا استعمال جائز سمجھتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ایک قانون جو کسی غالبی مصلحت کی بنا پر ہو جب بطور قانون نافذ ہو جائے تو اُس میں عمومیت پیدا ہو جاتی ہے پھر یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کہاں وہ خصوصی مصلحت موجود ہے اور کہاں نہیں۔

مثال کے طور پر سارداا ایکٹ کچھ خاص مضرتوں کی بنا پر نافذ کیا گیا جو زیادہ تر ہندوؤں کے یہاں انتہائی غیر معتدل شادیوں میں پیدا ہوا کرتی ہیں۔

قانون اُن مضرتوں کے لحاظ سے نافذ کیا گیا لیکن اُس کے حیثیت قانون نافذ ہو جانے کے بعد اب اُس میں عمومیت ہے یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کس جگہ وہ مضرتیں پیدا ہو رہی ہیں اور کس جگہ نہیں۔ اب تو ہر حال قانون کی پابندی کا سوال ہے

اسی طرح نجاست کفار کا حکم اگرچہ ایک اجتماعی مصلحت کی بنا پر ہے جو اغلبیت کی ہے مگر اب اُس کے لحاظ

ایک مسلمان سے زیادہ صاف شفاف اور بجل رہتا ہو۔ کفار کو نجس قرار دینے کا باعث خاص اُن سے نفرت یا عداوت پیدا کرنا بھی نہیں ہے کیونکہ اسلام تو رواداری کا حامی ہے اور ہر ایک شخص سے خوش اخلاقی کو پسند کرتا ہی بلکہ اس کا منشا کچھ اور ہی ہے۔

بات یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں پر کھانے پینے اور طرز معاشرت ہر طرح سے کچھ خاص امتیازات مقرر کئے تھے جو غیر مسلموں سے علیحدہ ہیں۔ غیر مسلم جماعتیں بہت سی ایسی چیزوں کا استعمال کرتی ہیں جو مذہبی حیثیت سے ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔ دنیا میں "ہم پیالہ و ہم نوالہ" ہونا معاشرت کا ایک اتنا قوی درجہ ہے کہ جس سے ایک فریق کے دوسرے سے متأثر ہو جانے اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کا بہت قوی امکان ہے۔ اس کے برخلاف صرف اکل و شرب کے نہ ہونے سے ایک ایسی خلیج حائل ہو جاتی ہے کہ چاہے کتنی ہی دوستی ہو اور رسم پیں میں تعلقات قریب ہوں مگر پھر بھی یہ اندیشہ نہیں پیدا ہوتا کہ مسلمان اُن چیزوں کے ارتکاب پر آمادہ ہو جائیں جو غیر مسلمین سے مخصوص ہیں۔

کافر کہکر اُس کو نجس قرار دے اور اُس سے پرہیز کرنا مذہبی حیثیت سے ضروری بتلائے۔ ظاہری طور پر کفر و اسلام کے درمیان ایک واضح حد مقرر کی گئی اور وہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جو شخص خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا زبان سے اقرار کرتا ہے وہ مسلمان سمجھا جانا چاہیئے بشرطیکہ کسی ایسی بات کا کھلم کھلا انکار نہ کرتا ہو جو تمام اسلام کے متفقہ مسائل میں واضح طور پر داخل ہے کہ اُس سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے جیسے نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کا وجوب یا شراب۔ زنا۔ سود وغیرہ کی حرمت۔

کسی بات کا عقلی استدلال کے لحاظ سے نفی توحید وغیرہ کے حدود میں داخل ہونا تک ظاہر بظاہر کفر کا موجب نہیں قرار دیا گیا ہے جبکہ کہنے والا اُسے اس اقرار کے ساتھ نہ کہتا ہو کہ وہ خدا کو ایک نہیں جانتا بلکہ تاویل سے کام لیتا ہو۔

اسی بنا پر اہلسنت کا فرقۂ اشاعرہ صفات خدا کو زائد بر ذات ماننے کے بعد بھی مسلمانوں کی صف میں داخل رہا۔ اور خدا کی رویت کا قائل ہو کر بھی مجسمہ کے ذیل میں داخل نہیں ہوا حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ آٹھ صفتیں قدیم ذات سے الگ ہونے

سے حکم بطور عمومی نافذ ہو گیا تو اب مستثنیات اور جزئیات کا کوئی لحاظ نہ ہوگا۔

فرض کیجیے کوئی غیر مسلم عملی طور پر اُن چیزوں میں سے کسی کا بھی ارتکاب نہ کرتا ہو جو مسلمانوں کے یہاں ناجائز ہیں یا کوئی مسلمان خصوصیت سے اپنے متعلق اعتماد کا اظہار کرے کہ میں جتنا بھی ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوں پھر بھی دوسروں کے اخلاق سے متاثر نہیں ہوں گا، ان صورتوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا جبکہ حکم بطور قانون عمومیت کے ساتھ نافذ ہو گیا اور اس میں کوئی ایسا استثنار موجود نہیں ہے۔

کفر اور اسلام کے حدود

یوں تو اسلام اور ایمان دونوں بڑی مشکل باتیں ہیں اگر ان کو حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے مگر طہارت و نجاست کے باب میں اس کا اعتبار ہرگز نہیں ہے ورنہ ایک طرف تو سچے مسلمان کی زندگی دشوار ہو جاتی اس تلاش میں کہ واقعی مسلمان کون ہیں دوسری طرف مسلمانوں کی جماعت میں ایک عظیم تفرقہ کی بنیاد پڑ جاتی اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کو

شبہ کے پیدا ہونے کے بعد تحقیق میں کوتاہی ہوئی اور اس شک نے عقیدہ کی صورت اختیار کر لی تو وہ کفر کی منزل ہوگی جس میں ہمیشہ کی ہلاکت ہے۔

ضرورت ہے کہ شک و شبہہ اور اعتراض جو دماغ میں گردش کرے اُسے پیش کیا جائے اور اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

لیکن اگر "کفر نوازی" کی ترقی اس حد پر رہی کہ اعتراض اور شبہہ کے اظہار ہی پر "کافر" کا خطاب مل گیا تو کسی کو جرأت ہی کاہے کو ہوگی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کر کے تشفی حاصل کرے نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خیالات دماغ میں پرورش پائیں گے اور ایک وقت میں عقیدہ کی حیثیت اختیار کر لیں گے۔ اب وہ شخص واقعی کافر ہوگا مگر اس کی ذمہ داری ہوگی ہمارے اس غلط طرز عمل پر۔

گذشتہ دور میں انگریزی تعلیم کے ساتھ جو بہت سے "کافر" پیدا ہوئے اُس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہمارے اس غلط طریق کار پر ہے۔

ہم نے پہلے ہی یہ سمجھ لیا کہ انگریزی تعلیم کافر ڈھالنے کی مشین ہے

کے بعد اللہ واحد نہیں رہا اور رویت کے قائل ہونے کے ساتھ
مکان، حیز اور جہت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا اور جسم بن جاتا
ہے مگر یہ لوگ ان لوازم کے پابند نہیں ہیں کہیئے کہ خدا کو ایک
نہیں مانتے؟ تو وہ کانوں پر ہاتھ رکھیں گے اور کہیئے کہ تم خدا کو
جسم مانتے ہو تو وہ انکار کرینگے اس لیے عقلی حیثیت سے وہ
ایک حماقت کے مرتکب ہوں، مگر شرع کے رو سے کافر نہیں
قرار پا سکتے۔ قادیانی جماعت میں وہ لوگ جو مرزا غلام احمد کو صاف
صاف نبی کہتے ہوں، بظاہر اسلام سے خارج ہیں مگر احمدی
کہ جو محمد علی صاحب کے متبعین ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب
کو نبی یا رسول نہیں مانتے صرف ایک مجدد کی حیثیت کے قائل
ہیں اُن کے اسلام سے خارج ہونے کا کوئی سبب نہیں ہے۔
کوئی مسلمان اگر کسی مذہبی عقیدہ کے متعلق شکوک و اعتراضات
کا اظہار کرتا ہے تو صرف اتنے پر اُسے کافر نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔
انسانی دماغ جب ذوقِ تحقیق سے روشناس ہو جاتا ہے تو
وہ ہر بات کی دلیل جاننے اور سمجھنے کا طلبگار ہوتا ہے۔ نیز
انسان کی قوت متخیلہ اکثر شکوک و شبہات کو سامنے پیش کرتی
رہتی ہے جس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اگر اس شک اور

کے مواعظ میں اس جماعت کے بہت سے افراد شرکت کرتے ہیں اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اس صورت حال میں ترقی ہونا چاہیے اور اب کبھی ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کسی بڑے سے بڑے اعتراض کے اظہار پر کسی کو کافر سمجھ لیا جائے۔ جب تک ایک شخص واقعی اپنے کفر اور الحاد کے عقیدہ کا صاف صاف معترف اور اس کا علمبردار نہ ہو

نواصب

کوئی شبہہ نہیں کہ وہ لوگ جو اہلبیت رسول سے کھلم کھلا عداوت کا اظہار کریں، وہ کافر ہیں اور محکوم بہ نجاست ہیں یہ کوئی آج کا مسئلہ اور تقاضائے وقت پر تراشا ہوا حکم نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے فقہائے ملت کا مسلمہ ہے اور احادیث ائمہ معصومین میں اس کی تصریح موجود ہے بلکہ اہلسنت کے معتبر اور مستند روایات و نصوص بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث یا علی حبك ایمان و بغضك كفر و نفاق فریقین کے یہاں متواتر حیثیت سے وارد ہوئی ہے۔

اب اگر کسی انگریزی دان انسان یا طالب علم نے بطور جستجو ہی کچھ بھی خیالات مشککانہ ظاہر کئے تو ہم نے جھبوٹتے اُسے کافر کہدیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اب تک تو کافر نہ تھا مگر ہمارے اس کہنے سے ہوگیا اگر اُس نے ہم سے تبادلۂ خیالات چاہا تو چونکہ ہم سمجھتے تھے کہ ایک "کافر" ہم سے گفتگو کرنا چاہتا ہے اس لئے یا تو ہم نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ یا موقع دیا بھی تو مناظرانہ جوابات دے کر اُسے خاموش کرنے کی زیادہ کوشش کی۔ حالانکہ مناظرانہ جوابات سے معاند انسان خاموش تو ہو جاتا ہے مگر ایک طالب حق کے دل کی خلش دُور نہیں ہوتی لیکن ہم تو یہ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے کہ یہ شخص طالب حق نہیں ہے۔ کافر ہے جو صرف ہم کو نیچا دکھانے کے لئے ہم سے خواہ مخواہ بحث کرنا چاہتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ "تعلیم یافتہ جماعت" اور "اہل علم" کے درمیان کی خلیج بڑھتی گئی۔ اُنھوں نے ان کے پاس آنا جانا چھوڑا۔ انھوں نے اُن کی طرف سے منھ موڑا۔

شکر ہے کہ اس صورت حال میں اب بہت حد تک اصلاح ہوگئی ہے موجودہ زمانہ میں اکثر انگریزی کالج اور اسکولوں کے طلاب مذہبی مسائل کی تحقیق کرتے ہیں اور تشفی حاصل کرتے ہیں۔ اہل علم

شیخنا المیرزا محمد حسین النائینی رہ ص۵ عروۃ الوثقیٰ للسید کاظم الطباطبائی مطبوعہ صیدا ج ۱ ص ۲۸

پھر موجودہ زمانہ میں اگر علماء سے اس طرح کے فتاویٰ حاصل کیے جائیں تو تحصیل حاصل ہی تو ہوگا۔ مگر حالات زمانہ کے تقاضا سے بعض لوگ ایسے فتادے کی اشاعت سے غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ اہلسنت بحیثیت مذہب ہرگز اہلبیت سے عداوت نہیں رکھ سکتے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی فضیلت و عظمت اُن کے مذہب کا ایک جزو ہے۔

شاہ عبد العزیز دہلوی کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ جو اہلسنت میں اب بھی پوری مقبولیت رکھتی ہے بلکہ اُن کی مناظرانہ سرگرمیوں کا مرکز ہے، اس میں تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اصلی شیعۂ علی ہم ہیں اور جتنے احادیث شیعیان علی بن ابی طالب کی تعریف میں وارد ہوئے ہیں وہ ہم پر منطبق ہیں۔

اس صورت میں کبھی یہ سمجھنا کہ سُنی لوگ "ناصب" کی لفظ کے تحت میں داخل ہوں گے بالکل غلط ہے۔

بے شک یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی "سُنی" اپنے میں سُنی کہتا ہو مگر اپنے مذہب کے خلاف حضرت علیؑ کی شان میں نامناسب الفاظ کہتا ہو

علمائے شیعہ کے تصریحات دیکھنا ہوں تو ملاحظہ فرمایئے۔

تذکرۃ الفقہاء للعلامۃ الحلی ج ۱ صـ جامع المقاصد للمحقق الثانی ج ۱ صـ۱۶ روض الجنان فی شرح ارشاد الاذہان للشہید الثانی صـ۱۶۳ فقہ المعالم للشیخ حسن ابن زین الدین الشہید الثانی صـ۲۲۹ کشف اللثام للفاضل الہندی ج ۱ ریاض المسائل للسید علی الطباطبائی ج ۱ مستند الشیعۃ للشیخ احمد النراقی ج ۱ صـ۳ وسائل الشیعۃ فی احکام الشریعۃ للسید حسن الاعرجی صـ۱۳۰ مفتاح الکرامۃ للسید محمد جواد العاملی ج ۱ صـ۱۴۴ کشف الغطاء للشیخ جعفر النجفی صـ۱۷ جواہر الکلام للشیخ محمد حسن النجفی ج ۱ صـ۲۵ نجاۃ العباد للشیخ محمد حسن النجفی صـ الدر الرائق لسید العلماء السید حسین طاب ثراہ صـ۲ روضۃ الاحکام تصنیف سید العلماء ج ۱ صـ۲۰ کتاب الطہارۃ للشیخ مرتضی الانصاری۔ ذرائع الاحلام للشیخ محمد حسن المامقانی کتاب الطہارۃ حصہ دوم صـ۲۱۹ ہدایۃ الانام للشیخ محمد حسین الکاظمی ج ۲ صـ۴۲۶ رسالۃ المؤمنین تصنیف جناب جنت مآب ممتاز العلماء السید محمد تقی طاب ثراہ صـ ذریعۃ الوداد فی منتخب نجاۃ العباد الحاج میرزا محمد حسین بن میرزا محمد خلیل صـ۳۵ فلک النجاۃ للسید مہدی القزوینی صـ۱۲ منہج الرشاد للشیخ جعفر التستری صـ۴۲ ا نعم الزاد للشیخ محمد طہ نجف صـ۳۷ ذخیرۃ العباد لامیرزا محمد تقی الشیرازی صـ۱۹ سفینۃ النجاۃ للشیخ احمد آل کاشف الغطاء ج ۱ صـ۱۰۲ وسیلۃ النجاۃ

ضرورت کے عام معنی جو لوگ سمجھتے ہیں اُن کے لحاظ سے بلا ضرورت کھانا ہی نہیں کھایا جائے گا چاہے وہ مسلمان شیعہ اثنا عشری کے ہاتھ کا پکا ہوا کیوں نہ ہو۔

پھر اسکے کیا معنی کہ ضرورت کے وقت غیر مسلم کا کھانا جائز ہے۔ دیکھیئے ضرورت کے وہ معنی ہیں کہ جس وقت انسان کے لیے مردار حلال ہوتا ہے۔ وہ وقت کہ جب انسان کی زندگی موقوف ہو جائے اس حرام شئے کے ارتکاب پر۔ پھر یہ بھی یاد رکھیئے کہ ضرورت کی بنا پر جو شے جائز ہوتی ہے وہ مقدار ضرورت کی پابند ہوتی ہے۔ یعنی زندگی کی حفاظت کے لیے استعمال جائز ہوگا بس اُتنا ہی کہ جتنے میں حیات کا تحفظ ہو جائے۔

اکثر لوگ خصوصًا وہ جو سرکاری دفتروں میں یا مشترک کالج اور اسکولوں میں ملازم ہیں غیر مسلمین سے پرہیز کے حکم میں بڑی دشواریاں محسوس کرتے ہیں۔ کسی حد تک میں ان دشواریوں کو تسلیم کرتا ہوں۔ صرف مسلمانوں کے سواد اعظم کے طرز عمل کی وجہ سے۔ اگر مسلمانوں کا متفقہ رویہ یہ ہوتا کہ وہ غیر مسلمین سے پرہیز کرتے ہوتے تو یہ اسلام کا ایک مسلّمہ حکم سمجھا جاتا اور اسے صرف شخصی تعصب یا تنگ نظری

اور عداوت کا اظہار کرتا ہو تو ایسا شخص بے شک ناصبی ہوگا اور علماء کے فتاوے کا محل قرار پائے گا مگر یہ بالکل شخصی و انفرادی بات ہے۔ اس کا کسی فرقہ یا جماعت سے تعلق نہیں ہو سکتا جس طرح اگر کوئی "شیعہ" اپنے تئیں شیعہ کہتا ہو مگر نعوذ باللہ خدا یا رسول یا ائمہ کی شان میں گستاخی کرے تو وہ کافر ہے اور اس کی شیعیت کا نام نہاد اقرار اس کے لیے ہرگز سود مند نہیں ہے۔

اگر آپ ایسے شخص کو پہچان لیجئے اور آپ پہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس قسم کے الفاظ اپنی زبان یا قلم پر جاری کرتا ہے تو ضرور اس کو کافر سمجھئے اور اس سے پرہیز کیجئے۔

یاد رکھیے کہ جب تک اسلام کے ظاہری پردہ کے اندر کچھ بھی گنجائش نکلتی ہے مسلم اور غیر مسلم ہرگز برابر نہیں ہو سکتے نہ غیر مسلمین کی نجاست کا حکم کبھی برطرف ہو سکتا ہے۔

ضرورت کی حدود

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضرورت کی بنا پہ اکثر حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں مگر ضرورت کے معنی سمجھنے میں اکثر لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے۔

لیے یہ امر کہ اُن کو مسلمان کے ہاتھ کا کھانا دیا جائے جیل کے قواعد کے خلاف ہو۔

یاد رکھیے کہ یہ صرف ہمارے احساس، عزم اور ہم آہنگ کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ عبرت کے قابل یہ معاملہ ہے کہ سکھ تو جیل خانوں میں ڈاڑھی رکھنے میں آزاد ہوں لیکن مسلمان اس کے لیے آزاد نہ ہوں جبکہ سکھ صرف چند لاکھ ہیں اور مسلمان اس وقت نو کرور ہیں۔ اور ڈاڑھی کا رکھنا مسلمانوں کے یہاں ایک مذہبی فرض کی حیثیت رکھتا ہے مگر یہ نتیجہ ہے اس کا کہ سکھ اپنی مذہبی تعلیم کے پابند ہیں اس لیے دُنیا اُن کے مذہبی اصول کا احترام کرتی ہے اور مسلمان بحیثیت مجموعی اپنی مذہبی تعلیم کے پابند نہیں ہیں اس لیے دوسرے اُن کے مذہبی اصول کی کوئی قدر و قیمت نہیں سمجھتے۔

کتنا تعجب ہے کہ وہ لوگ جو ذرا ذرا سی بات پر مداخلت فی الدین کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ان باتوں کو دیکھتے ہیں اور ان پر کبھی زبان تک نہیں ہلاتے۔ یہی صورت ہے بالکل اس مسلم اور غیر مسلم کے معاملہ کی۔ اگر شیعہ سختی کے ساتھ اس کے پابند ہوں تو وہ دوسروں کو بھی مراعات پر مجبور کر سکتے ہیں۔

پر معمول نہ کیا جاتا جس طرح ہندؤوں میں یہ رسم برابر قائم رہی اور کوئی بھی دشواری پیدا نہیں ہوئی۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہمارے دوسرے مسلمان بھائی اس پر عامل نہیں ہیں اس لیے ناواقف افراد اس کی مذہبی حیثیت کا احساس نہیں رکھتے۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ دشواریاں ہماری قوت عمل کی کمزوری سے متعلق ہیں۔

اگر ہمارے افراد جہاں جہاں ہوں سختی کے ساتھ اس کی پابندی کریں اور یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم یہ کسی ذاتی نفرت یا عداوت کی بنا پر نہین کرتے بلکہ ایک مذہبی اصول کی بنا پر مجبور ہیں تو رفتہ رفتہ یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی اور لوگ واقف ہوجائیں گے کہ یہ شیعہ فرقہ کی ایک مذہبی خصوصیت ہے جس کے وہ مذہبی حیثیت سے پابند ہیں۔

یہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہندؤون کے لیے جیل خانہ میں اس کا انتظام ہو کہ ہندو ہی کے ہاتھ کا کھانا دیا جائے اور یہ جیل کے قواعد کے منافی نہ ہو۔

سکھوں کے لیے ڈاڑھی کے رکھنے کی اجازت جیل خانہ میں ہو اور جیل کے قواعد سے وہ مستثنیٰ ہوجائیں مگر شیعوں کے

علاج کے سلسلہ میں خاص طور پر تساہل سے کام لیا جاتا ہے ڈاکٹر صاحب سے نسخہ لکھوایا اور ہندو دوکان سے نسخہ بندھوا لیا سمجھا جاتا ہے کہ اس دوا کا استعمال جائز ہے اس لیے کہ "بضرورت" ہے۔ بعد میں منھ پاک کر لیا جائے گا۔

مگر یہ ہرگز درست نہیں ہے لکھنؤ میں تو اب انگریزی دواؤں کی بھی مسلمان بلکہ شیعہ دوکانیں موجود ہیں اس لیے اگر ڈاکٹر صاحب کا علاج بھی ہو تب بھی کوئی ضرورت نہیں کہ ہندو دواخانہ سے دوا لی جائے لیکن اگر انگریزی دوا کی دوکان کسی مسلمان کی نہیں ہے تو آپ کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ کی زندگی اسی ڈاکٹری علاج پر منحصر ہے لیکن اگر حکیم کے علاج سے بھی صحت کا امکان ہو تو پھر آپ کو ڈاکٹری علاج ہی ناجائز ہو گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ واقعی "پابند شرع" ہیں تو آپ کو اس فرض کی اہمیت کا احساس ہونا چاہیے۔ اور اس میں تساہل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

عارضی نجاست

سابق میں جن نجاستوں کا نام لیا گیا مثلاً پیشاب،

اور اگر وہ خود ہی اُس کی اہمیت کچھ نہ سمجھتے ہوں اور یا سرے سے پابند ہی نہ ہوں یا ایسی کمزور سی پابندی رکھتے ہوں کہ ذرا سی سختی میں گھبرا جائیں اور علماء سے فتاوے منگانے لگیں غیر مسلمین کے اشیاء کے استعمال جائز ہو جانے کے لیے تو دوسروں کو بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ان کے اس مذہبی حکم کی کوئی مراعات کریں۔

یہ کون سی بات ہے کہ دوسری باتوں پر قانون شکنی جائز سمجھی جائے اور اس مذہبی اصول کی بنیاد قائم کرنے کے لیے جیل خانوں کے اندر قانون شکنی جائز نہ ہو۔

مگر اس کا کوئی اثر تو جب ہی ہو سکتا ہے جب اجتماعی حیثیت سے بڑے پیمانہ پر ہو اور اگر سب نے "ضرورت" کی آڑ لے کر علماء سے فتاوے حاصل کر لیے اور جو غذا ملی اُس کو "بادل ناخواستہ" سہی اطمینان سے استعمال جاری کر دیا تو اگر چند "سرپھرے" اپنی بات پر قائم بھی رہیں تو اُس کا کوئی نتیجہ تو نہیں ہو سکتا۔ مگر یاد رکھئے کہ فرض شناسی انسان کا جوہر ہے اور احکام مذہب کی وقعت تن پروری اور آسائش سے مقدم ہے۔

آنکھ اور کان کے اندر کے حصے اور دوسرے باطنی اجزاء لیکن جہاں تک اس مسئلہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل نجاست وہی خون وغیرہ کی نجاست ہے جو ذاتی حیثیت رکھتی ہے اس لیے جب تک وہ باقی ہے حکم نجاست موجود ہے اور ادھر وہ زائل ہوئی حکم نجاست ختم ہو گیا۔ لہٰذا یہ کہنا چاہیے کہ باطنی حصے نجس ہوتے ہی نہیں، نہ یہ کہ نجس ہو تو جاتے ہیں مگر عین نجاست کے زوال کے بعد پاک ہو جاتے ہیں۔

یہی صورت ہے بالکل حیوانات کے جسم کی۔ ممکن ہے کہ اُن کا جسم کسی نجاست سے آلودہ ہو جائے تو جب تک وہ نجاست خود موجود ہے اس کا حکم موجود رہے گا لیکن ادھر وہ نجاست زائل ہوئی اور اس کا حکم بھی رخصت ہوا مثال کے طور پر کسی طائر کے منقار یا پنجے آپ کے سامنے نجاست میں آلودہ ہوں جب تک وہ نجاست بھری ہوئی ہی وہ نجس رہیں گے لیکن ادھر نجاست چھوٹی اُدھر وہ پاک ہو۔ اسے بھی میرے نزدیک یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ نجس تھے پاک ہو جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ نجس ہونے ہی نہیں۔

غور کیجیے تو شرع کا مذکورہ بالا حکم بالکل طبع انسانی کے مطابق ہے۔ پیشاب، پائخانہ وغیرہ کی نجاست جیسا کہ سابق میں بتایا گیا

پائخانہ، خون، کتا، سور، شراب، کافر وغیرہ یہ سب اصلی نجاستیں ہیں، مطلب یہ ہے کہ نجاست ان میں ذاتی ہے غیر ممکن ہے کہ یہ چیزیں اپنی حالت پر باقی رہتے ہوئے پاک ہو سکیں۔ ان کے علاوہ دنیا کی تمام چیزیں بذات خود پاک ہیں لیکن اگر وہ مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی سے تری کی حالت میں متصل ہو جائیں تو اُن میں عارضی طور پر نجاست پیدا ہو جائے گی۔ اس کو متنجس کہتے ہیں یعنی وہ شے جو بذات خود نجس نہیں ہے مگر کسی شے سے متصل ہو کر نجس ہوئی ہے بے شک بعض چیزیں نظام شریعت میں ایسی بھی ہیں جو کسی چیز سے متاثر ہو کر نجس ہی نہیں ہوتیں۔

یہ انسان کے باطنی اجزا ہیں جیسے مُنھ کے اندر، پیٹ کے اندر، دماغ کے اندرونی حصّے وغیرہ ان کے متعلق مشہور تو یہ ہے کہ یہ عین نجاست کے زائل ہونے پر خود بخود پاک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اکثر علما نے زوال عین نجاست کو مطہرات سے قرار دیا ہے مثلاً دانت سے خون نکلے تو جب تک وہ خون باقی ہے مُنھ کے اندر کا حصّہ نجس ہے مگر ادھر خون برطرف ہوا اُدھر یہ اندر کا حصّہ پاک ہو گیا اس کے بعد ضرورت نہیں کہ اندر سے بھی مُنھ یا حلق کو پاک کیا جائے یونہی

لیکن یہی جب دہن کے اندر ہوتو اُسے لعاب کہا جاتا ہے اور اس حالت میں رق گردانی کے وقت قرآن کے صفحون پر بھی پہونچے تو اہل ذوق کو کوئی اعتراض نہیں ہے

سُرخ، سفید، تروتازہ اور شاداب چہرہ کی رنگت سے خون کا رنگ پھوٹا پڑتا ہے اور غصہ کی حالت میں تمتماتا ہوا چہرہ خون کی روانی کا صاف صاف پتہ دیتا ہے مگر جب تک انتہائی خفیف بھی کھال کا پردہ موجود ہے ذہن میں خفیف سا بھی تصور کسی نجاست کا پیدا نہیں ہوتا لیکن یہی اگر چھلک آئے اور باہر نکل آئے تو ہاتھ کو کسی شے سے پونچھنا ضروری ہے

طبی حیثیت سے دیکھئے تب بھی یہ معلوم ہوگا کہ یہ کثیف چیزیں جب باہر رہیں تو آس پاس کی ہوا میں مختلف بیماریوں کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور صحت عامہ کے لیے مضر ہوتے ہیں اور چیزوں کا کیا ذکر رطوبت دہن کے لیے۔ آپ اسٹیشنوں پر، ریل گاڑیوں میں، مختلف عمارتوں میں یہ لکھا ہوا دیکھیں گے کہ تھوکنا ممنوع ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص جو ان مقامات پر آتا جاتا رہتا ہے وہ ہر وقت ہی ان رطوبتوں کا حامل ہوتا ہے۔ اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔

طبعی آثار کی بنا پر بھی یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ اشیاء

زیادہ تر ذاتی گندگی اور تنفر طبعی کے لحاظ سے ہی اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان تمام اشیاء سے تنفر پورا پیدا اُسی وقت ہوتا ہی۔ جب وہ ظاہری حصوں پر پائی جاتی ہوں۔ انسان کو تصور تک ان اشیاء کی نجاست و کثافت کا نہیں ہوتا اُس وقت تک جب تک کہ یہ اندر مستور ہوں اسی لیے شخص اُس حالت میں کہ جب احساس ان چیزوں کی موجودگی کا اپنے اندر ہو مثلاً پاخانہ یا پیشاب لگا ہوا ہو مقدس سے مقدس مقام پر چلا جاتا ہی اور نہ اسے خیال ہوتا ہی نہ کوئی دوسرا احساس کرتا ہی کہ یہ کسی نجاست کو اُس پاکیزہ مقام پر لے گیا حالانکہ انہی میں سے کوئی چیز ذرا سی بھی اگر باہر اس کے کسی حصہ جسم میں بھری ہوئی ہوتی تو نہ یہ خود اُس جگہ جاتا نہ کوئی دوسرا اس کا جانا پسند کرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ظاہر اور باطن کے لحاظ سے انسان کے جسم کی دو دنیائیں الگ الگ ہیں اور اُس باطن حصہ کی دنیا ہی کو انسان اپنے سے الگ سمجھتا ہے مثال کے طور پر یہ بھی دیکھیے کہ انسان کے دہن کی رطوبت اس سے طبیعت کا تنفر اگرچہ اس درجہ پر نہیں ہی کہ شرع کی طرف سے اس کو نجس قرار دیا جاتا ہی پھر بھی کسی حد تک اس میں یہ بات ضرور ہی اس لیے خبائث کے تحت میں اس کا استعمال یقیناً حرام ہی مگر یہ اُسی وقت ہی کہ جب دہن سے الگ ہو اس حالت میں یہ تھوک کہلاتا ہی اور اُس وقت اس کی پستی اور حقارت کا پوچھنا ہی کیا

کے متصل ہونے سے نجس نہیں ہوتے، بڑی سہولت پیدا ہوگی اب اگر دیکھ لیا کہ اُس کی چونچ پنجے، ہاتھ یا منھ میں کوئی نجاست بھری ہوئی ہو تب تو بے شک آپ کو اُسے نجس سمجھنا پڑے گا، یہ اُس جانور کے جسم کی نجاست نہ ہوگی بلکہ اُس عین نجاست کا نتیجہ ہوگا جو اُس میں بھری ہے لیکن اگر کوئی نجاست بھری ہوئی نظر نہیں آتی تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اُس کو نجس سمجھیں

پانی کے اقسام

پانی بھی ایک ایسی چیز ہے جو اکثر حالات میں نجاست سے متاثر نہیں ہوتا تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

(۱) آب باران یعنی بادل سے برستا ہوا پانی۔

(۲) آب جاری یعنی وہ پانی جس کا کوئی قدرتی خزانہ ہو اور وہ اُس سے سوتوں وغیرہ کے عنوان سے اُبلتا رہتا ہو اور اس میں داخل ہے سمندر، دریا، چشمہ، کنواں، پہاڑ سے نکلنے والا آبشار اور جو اسی نوعیت کی چیزیں ہوں۔

(۳) آب کثیر یعنی وہ پانی جس کا کوئی خزانہ تو نہ ہو مگر مقدار اُس کی کم از کم ایک کر ہو یعنی اتنا کہ جس کی لمبان چوڑان گہرائی

جب باہر ہوں تو تعفن پیدا ہو کر دُور تک ہوا میں اُس کا اثر محسوس ہوگا اور ناگوار ثابت ہوگا لیکن اندر ہونے کی حالت میں یہ آثار پیدا نہیں ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شرع کی جانب سے ظاہر اور باطن کا جو تفرقہ قرار دیا گیا ہے وہ بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے حیوانات کے اعضائے جسمانی کی طہارت سے انسانوں کو سہولت پیدا ہو گئی۔ یہ ظاہر ہے کہ حیوانات پر خود تو کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی نہ اُن پر کوئی پابندی لازم کی جا سکتی ہے، اُنکے ہاتھ پاؤں مُنھ چونچ پنجوں کے نجس ہونے کا اگر مطلب ہو سکتا تو صرف یہ کہ انسان اُن سے پرہیز کرے۔ اگر پانی کا گھڑا رکھا ہے اُس میں کوا چونچ ڈال دے تو یہ گھڑا نجس سمجھا جائے۔ کپڑا دھو کر الگنی پر پھیلایا چڑیا آکر بیٹھ گئی تو کپڑا ناپاک ہو جائے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ کوے کی چونچ اور چڑیا کے پنجے آپ کے قابو میں نہیں ہیں جو آپ اُن کی نجس مقامات سے حفاظت کرتے رہیں۔ اس صورت میں ان طائروں کا کوئی حرج تو نہیں ہے مگر آپ کی زندگی اجیرن ہو جائے گی لیکن شرع کے اس حکم سے کہ ان جانوروں کے اعضا نجاست

زائل ہو جائے فوراً وہ پانی پاک ہو جائے گا لیکن اگر آب راکد ہے یعنی اُس کو خود کہیں سے مدد نہیں پہونچ رہی ہے تو ضرورت ہے کہ آپ اُس کو مدد پہونچائیے یعنی زوال تغیر کے ساتھ ایک کر طاہر پانی اُس میں ڈالیے سب وہ پاک ہو جائے گا۔

:(آب مضاف):

یہ سب اُس پانی کا ذکر تھا کہ جو بغیر کسی خاص شے کی طرف نسبت دیئے ہوئے حقیقۃً "پانی" کہا جا سکے لیکن ایسی سیال چیزیں جنھیں لباادقات مجازاً کہہ تو دیا جاتا ہے مگر واقعی اُنھیں پانی کہنا درست نہیں ہے جیسے خاص خاص چیزوں کا افشردہ یا کھنچا ہوا عرق یا شوربا۔ ان کو کہتے ہیں آب مضاف" یہ چاہے کتنے ہی زیادہ مقدار میں ہوں۔ نجاست کے متصل ہونے سے فوراً نجس ہو جائیں گے۔

بے شک اگر اس طرح کی بھی کوئی سیال چیز آب جاری کی حیثیت رکھتی ہو یعنی زمین میں اُس کا قدرتی خزانہ ہو اور وہ خود بخود اُبلتی ہو جیسے تیل کے چشمے جو اکثر زمینوں میں قدرت کی طرف سے ودیعت کیے گئے ہیں ان کے متعلق کتب فقہیہ میں

کی تکسیر مقدار پیمائش میں ستائیس بالشت ہوتی ہو یعنی اوسط تین تین بالشت اُس کا طول اور عرض اور عمق ہو۔

ان تینوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتیں یعنی کسی نجاست کی ملاقات سے ان میں نجاست پیدا نہ ہو گی جب تک کہ نجاست کا غلبہ اُن کے رنگ یا بو یا مزہ میں تبدیلی نہ پیدا کر دے۔ بے شک اگر رنگ، بو یا مزہ میں تبدیلی ہو جائے تو نجس ہو جائے گا۔

غور کیجیے تو دنیا میں ہر جسمانی کثافت و نجاست کے دُور کرنے کا ذریعہ پانی ہے۔ اب اگر پانی خود ہی نجاست سے متاثر ہو کر نجس ہو جایا کرتا تو پھر نجاستوں کے دور کرنے کا ذریعہ ہی کیا تھا ہاں اگر نجاست اس حد پر ہوئی کہ اُس نے پانی پر غلبہ حاصل کر کے اُس کے اوصاف میں تبدیلی پیدا کر دی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پانی کی قوت مدافعت نے نجاست کے مقابلہ میں شکست کھائی۔

اب اگر آب جاری یا باران ہے اور اُس کا سلسلہ قائم ہے تو چونکہ اُسے برابر مدد پہونچ رہی ہے تو جب بھی اُس کی قوت مدافعت واپس آ جائے یعنی نجاست کا پیدا کردہ تغیر

ایسے ملک میں جہاں اکثر پانی نایاب ہوتا تھا اور مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ اس لیے شرع نے اپنی معتدل حکیمانہ روش کے مطابق اس پابندی کو ایک دوسری نوعیت سے عائد کیا اور وہ یہ کہ بعض ضروریات زندگی اور ضروریات مذہبی کو طہارت کے ساتھ مشروط قرار دیدیا۔ ایک طرف کھانے پینے میں طہارت کی ضرورت یہ ضروریات زندگی میں داخل ہے دوسری طرف نماز میں طہارت کی حاجت۔ یہ ضروریات مذہبی میں داخل ہے۔

اب ایک شخص کا ہاتھ نجس ہے تو وہ اُس ہاتھ کو نجس رکھے مگر کھانا کھانے کے لیے اُسے ہاتھ کو پاک کرنا ضرور ہوگا اور جسد یا لباس نجس ہو تو وہ نجس رہے مگر نماز پڑھتے وقت اس جسد یا لباس کی طہارت ضروری ہوگی۔ اس طرح ایک مسلمان ایک دن یا رات بھی ہرگز نجس حالت سے باقی نہیں رہ سکتا اور اگر وہ شرع کے اصول کا پابند ہے تو اُسے اس دوران میں طہارت کرنا لازمی ہے۔

(مطہرات)

آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کچھ چیزیں بذات خود نجس ہیں جو اپنی ہستی کے قائم رہتے ہوئے کبھی پاک ہو ہی نہیں سکتیں بلکہ

کوئی تصریح میرے پیش نظر نہیں ہے

احکام شرعیہ میں اپنی طبیعت سے کوئی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا دل یہ کہتا ہے کہ اس طرح کی چیز مطہر تو نہیں ہوگی کیونکہ طہارت کا ذریعہ صرف پانی ہے اور یہ پانی کے مفہوم سے ضرور خارج ہیں مگر نجاست کے متصل ہونے سے یہ نجس بھی نہیں ہو جائیں گے ان کا اپنے سرچشمہ سے متصل ہونا اور برابر جاری رہنا ان کی اتنی حفاظت ضرور کرے گا پھر بھی جب تک کوئی شرعی دلیل سامنے نہ ہو کوئی فیصلہ اس کے متعلق نہیں کیا جا سکتا۔

(مواقع طہارت)

مذکورہ بالا نجاستوں کے متعلق شرع کی طرف سے یہ ممانعت تو ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ ہمارا جسد یا لباس ان سے کبھی متصل نہ ہو کیونکہ ان میں بعض چیزوں سے جسم یا لباس کا آلودہ ہونا ناگزیر ہستیاں کی بنا پر ہوتا ہے جو ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور اکثر حالات میں لاعلمی یا اتفاق کی صورت پر ہوتا ہے جو قدرت و اختیار سے باہر ہے پھر یہ حکم دیا جانا انتہائی دشواری کا موجب تھا کہ جو نہی جسم کا اتصال ہو بس فوراً تم طہارت حاصل کر لو۔ خصوصاً عرب کے

کو علیحدہ علیحدہ مطہرات میں شمار کیا ہے مگر باریک بینی کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو ایک عقلی کلیہ کے تحت میں داخل کیا جائے اور وہ حکم کا برطرف ہونا اپنے محل کے معدوم ہو جانے کے سبب سے نجاسات عینیہ کے مادۂ اصلی یعنی ہیولیٰ میں طہارت پیدا ہونے کی صرف یہی ایک صورت ہے۔

اب رہ گئیں وہ چیزیں کہ جن میں عارضی طور پر نجاست پیدا ہوئی ہے۔ ان میں بھی ایک صورت یہ ہے کہ وہ شے ہی بالکل فنا ہو جائے اس طرح کہ عام نگاہوں میں اُسے "نیست" سمجھ لیا جائے جیسے نجس لکڑی کا جل کر راکھ ہو جانا۔ عام نگاہوں میں یہ ایک درجہ وہ ہے جس میں شے بالکل نابود ہو جاتی ہے، اس صورت میں اُس کی نجاست بھی ختم ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شے باقی رہے اور اُس کے موجود رہتے ہوئے نجاست دور ہو جائے حقیقت میں "تطہیر" اسی کا نام ہے اور جن چیزوں سے یہ بات حاصل ہو انھیں مطہرات کہتے ہیں۔

ان میں سب سے اہم پانی ہے، اور جتنا زمین اور آفتاب سے زیادہ آسان، ہمہ گیر اور پائدار حیثیت رکھتا ہے

پانی } قدرت نے اسے ہر جگہ کثرت سے پیدا کیا ہے اور عالم کائنات

یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی ہستی فنا ہو جائے تو نجاست بھی ختم ہو جائے گی
مگر اس کو پاک ہونا نہیں کہتے۔

استحالہ جسے مطہرات میں داخل کیا گیا ہے اس کی حقیقت یہی ہے
استحالہ یعنی کسی شے کی حقیقت کا بدل جانا اس طرح کہ وہ نجس شے
باقی ہی نہ رہے جیسے کتا نمک زار میں گر کر نمک ہو جائے یا جل کر راکھ
ہو جائے۔ یا اس سے دھواں یا بھاپ بنے۔ یہ نمک، راکھ، دھواں
اور بھاپ پاک سمجھا جائے گا کیونکہ نجس کتا تھا وہ اب باقی نہیں رہا
شراب کا سرکہ بن جانا اور انسان کے خون کا مچھر یا کھٹمل کے پیٹ
میں جا کر اس کی طرف منسوب ہو جانا اور کافر کا مسلمان بن جانا
یہ سب باتیں ایک ہی معیار کے تحت میں ہیں یعنی اس شے کا باقی
ہی نہ رہنا جسے نجس قرار دیا گیا تھا جس وقت کتے کا نمک بن گیا تو حقیقتہً
کتا رہا نہیں جو نجس تھا۔ یہ نمک ہے اور نمک کو شرع نے نجس
نہیں قرار دیا ہے اسی طرح شراب سرکہ ہو گئی تو شراب رہی نہیں یہ
سرکہ ہے کہ جو شرعاً پاک ہے۔ نجس ہے کیا؟ انسان کا خون
اب یہ مچھر یا کھٹمل کا خون ہے لہذا پاک ہے۔ نجس کون ہے جو کافر
ہو، یہ کافر نہیں مسلم ہے اس لیے پاک ہے۔

اگرچہ اکثر علماء نے استحالہ، انقلاب، انتقال، اور اسلام

پانی سے پاک کرنا ضروری سمجھے۔ یہ بھی دشوار امر ہے۔ پھر اگر آپ کا
پیر نجس ہی سمجھا جائے تو جہاں جہاں آپ جائیں وہ زمینیں بھی
نجس ہوتی جائیں لیکن زمین کے مطہر ہونے کی وجہ سے تمام تاپاک
جاتی رہیں۔

آفتاب اس کا بھی دائرہ محدود ہے۔ اس سے اُن چیزوں کی طہارت ہوتی ہے جو عادۃً منتقل نہیں ہوتیں
جیسے زمین۔ دیوار یں۔ در اور زراعت اور درخت اور میوے
جو درختوں پر لگے ہیں اور اسی طرح کی تمام چیزیں۔ یہ اگر نجس
ہو جائیں اور ان میں رطوبت ہو کہ جب آفتاب خشک کر دے
تو وہ پاک ہو جائیں گی۔ یہ بھی مفاد عامہ اور سہولت کے لحاظ سے
ہے اس قسم کی چیزوں تک اکثر اوقات پانی کا پہونچانا دشوار ہوتا
ہے۔ اس لیے آسانی کے لحاظ سے یہ قانون نافذ کیا گیا ہے۔

انسان کے نظام زندگی کی درستی اور آسانی میں ان مطہرات
کو بہت بڑا دخل ہے۔ ان کے علاوہ بعض جزئی چیزیں اور ہیں
جو بہت ہی تنگ دائرہ میں مطہر قرار دی گئی ہیں جیسے فضلہ خوار
جانور کو مقررہ مدت تک بند رکھنا اس طرح کہ وہ صرف پاک
غذا کھائے اُس کے پسینہ کی طہارت کے لیے۔ پتھر اور ایسی ہی

تب اس کے مہیا ہونے کے لیے ست ذرائع پیدا کئے ہیں۔

یہ ہر چیز کا مطہر ہے لیکن یہ خود اگر نجس ہو جائے تو اس کی مطہر سوائے اس کے کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی۔

خشک زمین } اس سے صرف وہ چیزیں پاک ہوسکتی ہیں جو طبعاً زمین پر منتقل ہوا کرتی ہیں جیسے جوتی کا تلا اُن کے لیے جو جوتی پہن کر چلتے ہوں اور پاؤں کا تلوا اُن لوگوں کے لئے جو ننگے پیر چلنے کے عادی ہوں اور وہ لکڑی جو کسی پابریدہ شخص کے لیے پاؤں کی جگہ لگی ہوئی ہو اور موٹر گاڑی وغیرہ کے پہیے اور اسی طرح کی تمام چیزیں۔

جب ان میں روا روی کی حالت میں نجاست بھر جائے تو اسی روا روی میں نجاست کے چھوٹ جانے کے بعد وہ پاک ہو جائینگی

اس حکم میں زمین کے جدا ئی خصوصیات کے علاوہ سراسر افراد جامعہ کی سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ رفتار کی حالت میں ہر طرح کی زمینوں پر چلنا پڑتا ہی ہے انسان کے لیئے بہت دشوار ہے کہ وہ راستے میں اس کا لحاظ کرے اور خیال رکھے کہ اس کا پاؤں کب اور کس جگہ پر نجس ہو گیا۔

اس کے بعد جب بھی وہ چل کر کہیں پہونچے تو جوتی کا تلا وغیرہ

گتنے ہاتھ اُس میں لگے۔ پھر جب آپ کو یہ نہیں معلوم تو اس آٹے دال وغیرہ کو یقینی طور پر آپ پاک کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ اگر آپ طہارت کے لیے یقین کی ضرورت سمجھتے تو زندگی سے ہاتھ دھو لیجئے۔ ان صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے شرع کی جانب سے ایک عام اُصول وضع کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کل شیٔ طاھر حتی تعلم انہ قذر۔

"ہر شئے کو طاہر سمجھو جب تک کہ اُس کی نجاست کا یقین نہ حاصل ہو۔"

یقین کے کیا معنی جس میں کسی احتمال کی گنجائش نہ ہو۔ اگر آپ کے نزدیک ذرا سا بھی طہارت کا شبہہ اور امکان موجود ہو تو آپ اس امکان سے فائدہ اُٹھائیے اور اُس کا استعمال کیجئے شرع کی طرف سے آپ کے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

بے شک دو صورتیں ایسی ہیں جن میں نجاست کا شبہہ سدِّ راہ ہوتا ہے۔

(ایک) یہ کہ کسی شئے کے متعلق سابقہ نجاست کا آپ کو علم ہو تو اب حصولِ طہارت کے لیے یقین کی ضرورت ہوگی۔ فقط امکان سے کام نہیں چلے گا۔

سخت چیز جو نجاست کو دور کردے اسنجا کی خاص صورتوں کیلئے
تبعیت یعنی کسی چیز کا دوسری شے کے ساتھ پاک ہو جانا جیسے
شراب سرکہ ہو جائے تو وہ برتن جس میں وہ رکھی تھی پاک ہو جائے
یا کافر مسلمان ہو جائے تو اس کا بچہ اس وقت سے مسلمان سمجھا جائے

مشکوک صورتوں کا حکم

طہارت اور نجاست کے باب میں اگر انسان کے لئے یقین کا حصول ضروری قرار دیا جاتا تو بڑی مشکل پیش آجاتی۔ اگر غور کیجیے تو روزمرہ کے ضروریات زندگی میں سیکڑوں چیزیں ایسی استعمال کرنا پڑتی ہیں جن کے متعلق قرآن اُٹھا کر طہارت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

جنھیں آپ خشک سمجھ کر نجاست کا تصور بھی نہیں کرتے اُن میں نجاست کا شبہہ موجود ہے۔ آپ آٹا دال چاول بازار سے لیتے ہیں مگر جب گیہوں چنا دھان کھیتوں سے کاٹا گیا تو کیا آپ دیکھ رہے تھے کہ کون ہاتھ کس حالت میں اُس سے لگ رہا تھا پھر کن ہاتھوں سے وہ بھگویا گیا کیسے ہاتھوں سے وہ پیسا گیا۔ اُس وقت تک کہ جب تک آپ کے ہاتھ میں آیا

غیر مسلم کے یہاں کی چیزیں منگوائی ہوں۔ یا شاید اس کے ملازم نے لاعلمی میں غیر مسلم کے یہاں سے خریداری کر لی ہو۔ آپ کسی کی ملاقات کو جاتے ہیں اُس کے یہاں فرش پر بیٹھنے میں تکلف کرتے ہیں کہ شاید یہ بچھونا نجس ہو۔ کوئی مردِ مومن آپکی ملاقات کو آتا ہے آپ اپنے بیٹھنے کا بچھونا سمیٹ لیتے ہیں کہ کہیں اس کے کپڑے نجس نہ ہوں آپ سے کوئی مسلمان مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں کہ کہیں نجاست میرے ہاتھ میں نہ لگ جائے خشک راستہ ہے۔ کیچڑ تری کا نام و نشان نہیں مگر آپ کو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں چھینٹ نہ پڑ جائے اس لیے دامن اُٹھائے اور کپڑے سمیٹے ہوئے راستہ چلتے ہیں۔ استنجے کے لئے ایک لوٹا کافی نہیں ہوتا اور ذرا سا ہاتھ پاک کرنے کے لیے سر تاپا حوض میں جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہ ہے وسواس جس کو لوگ طہارت سمجھ کر اختیار کرتے ہیں مگر شریعت کے حکم طہارت سے اس کو کوئی علاقہ نہیں ہے۔

یہ لوگ اپنی زندگی تباہ کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے باعثِ زحمت کا سبب بنتے ہیں معصوم نے اس قسم کی "احتیاط" یا طہارت کو شیطانی عمل کا لقب دیا ہے اور اس کے ترک کرنے کی سختی سے

(دوسرے) یہ کہ دو یا چند محدود چیزیں ہیں کہ جن میں سے ہر ایک آپ کا محل صرف قرار پا سکتی ہے آپ کو یقین ہے کہ بعض ان میں سے ضرور نجس ہیں مگر کوئی تعیین نہ ہو۔ تو اس صورت میں آپ کو سب سے پرہیز کرنا ضروری ہو گا۔

احتیاط اور وسواس

احتیاط بہر حال بہتر چیز ہے۔ بشرطیکہ وسواس کی حد پر نہ پہنچے "احتیاط" کا معتدل درجہ یہ ہے کہ ایسی چیز جس میں نجاست کا قوی امکان ہے اس سے پرہیز کیا جائے۔ مثلاً وہ حلوائی جس کو آپ نے دیکھ لیا کہ وہ ہندو سے مختلف اشیاء مثلاً دودھ، گھی وغیرہ خرید کرتا ہے، اس کے یہاں کی چیزوں سے آپ پرہیز کیجیے اگرچہ خصوصی طور پر اس شے کی نجاست کا یقین نہ ہو۔ یعنی یہ شبہ ہو کہ اس مٹھائی میں شاید مسلمان کے یہاں کا دودھ گھی استعمال کیا گیا ہو۔ مگر وسواس کی حد یہ ہے کہ آپ خواہ مخواہ کے امکانات نجاست کے لیے اپنے ذہن سے پیدا کریں۔

ایک شیعہ مومن آپ کی دعوت کرتا ہے اور آپ اس کے یہاں کے کھانے سے صرف اس لیے پرہیز کرتے ہیں کہ شاید اس نے

معاصی میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ وسوسوں میں گرفتار ہو کے اکثر امورِ خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں اپنی اس کمزوری یا عدمِ اعتدال کا احساس ہے اُن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جلد اپنی طبیعت پر جبر کر کے اپنے تئیں رد کیں اور نجیال خود کچھ دن "نجاست" سے بے پروائی اختیار کر لیں تو امید ہے کہ رفتہ رفتہ راہِ راست پر آ جائیں (خدا سب کو اعتدال کے راستے پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے)

طہارتِ شرعیہ

یعنی وضو، غُسل اور تیمم

جسم اور لباس کو تمام نجاستوں سے پاک رکھنے کے بعد نماز کے لیے ایک خاص طرح کی نفسانی پاکیزگی کی ضرورت ہے جو شرع کے مقرر کیے ہوئے طریقہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا ذریعہ ہے "وضو" اور "غسل" اور ان دونوں کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں تیمم جو ان کا بدل ہو۔ یہ نماز کے ادا کرنے کے لیے شرع کی جانب

ساتھ ہدایت کی ہے

ملاحظہ ہو عبداللہ بن سنان کی روایت کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے ایک شخص کا تذکرہ کیا جو وضو اور نماز میں مبتلا رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ وسواس کی وجہ سے گھنٹوں میں وضو اور نماز بجا لاتا ہے حالانکہ وہ سمجھدار آدمی ہے۔ حضرت نے فرمایا وای عقل لہ وھو یطیع الشیطان

"کیسا سمجھدار ہے وہ کہ شیطان کے کہنے پر چلتا ہے"

عبداللہ بن سنان کو تعجب ہوا کہا یہ کیسے۔ آپ نے فرمایا اُس سے خود پوچھ لے کہ یہ جو کچھ وہ کرتا ہے کس کے ہاتھوں ہے وہ کہے گا کہ شیطان کے ہاتھ سے پریشان ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ وسواس رکھنے والے اکثر خود اپنے ہاتھوں پریشان بھی ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے رویہ کی تبدیلی پر قادر نہیں معلوم ہوتے۔ تعجب نہ کیجئے کہ اکثر پڑھے لکھے لوگ اس طرح کے وسواس کا شکار کیونکر ہو جاتے ہیں۔

کیونکہ یہ تو ایک دماغی عدم توازن ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بیماری جاہل اور عالم کو نہیں دیکھتی۔ پھر شیطان کی سیاست بھی یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو اُسی راستہ سے گمراہ کرتا ہے جدھر اُس کی طبیعت کا رجحان زیادہ دیکھتا ہے۔ ایک پابند شرع انسان دوسرے

فوائد ہوتے یا محدود ہوتے تو صرف ایمان و اعمال کی مادی حیثیت
اُس کے لیے کافی ہوتی۔

نماز سے اگر صرف ورزش مقصود ہوتی تو وہ اُٹھا بیٹھی سے
ہو جاتی اور اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔ روزہ سے مقصود
اگر فقط معدہ کا درست کرنا ہو تو وہ صرف فاقہ سے ہو جاتا ہے
اس کے ساتھ کوئی قصد شریک نہ ہو۔ اور اگر وضو سے صرف ہاتھ
مُنہ کا صاف ہو جانا مقصود ہوتا تو وہ پانی کے تریڑوں سے ہو جاتا
خواہ کسی طرح سے بھی ہو۔ اور تیمم سے مراد اگر کچھ جراثیم کا فنا کرنا
ہوتا جن کے لیے مٹی زہر کا اثر رکھتی ہے تو بس مٹی کا مل جانا ہی
کافی ہونا چاہیے وہ جس صورت سے ہو مگر اسلام کا مقصد تو
عالم ظاہر کے ساتھ عالم باطن کی تعمیر کرنا ہے۔ انسان کی روحانیت
میں اضافہ کرنا ہے اور اس کے دماغ و دل پر وہ اثر ڈالنا ہے
جس سے تقویٰ و پرہیزگاری کے درجوں میں اضافہ ہو اور
نفسانی خواہشوں سے آزادی حاصل ہو۔ یہی روحانیت کا اضافہ
خدا کی بارگاہ میں قرب ہے جسے "قربۃ الی اللہ" کے الفاظ سے بتلایا
جاتا ہے اس کے لیے صرف اعمال کی وہ حیثیت جو اعضاء و جوارح
سے متعلق ہے کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت ہے

ہے واجب ہے

لیکن واجب کی تشریح میں دو قسمیں ہیں۔

ایک واجب توصلی، اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف کسی شے کا عالم وجود میں آنا شارع کو مدنظر ہے۔ وہ کسی طرح بھی ہو جیسے آپ کا کوئی کپڑا نجس ہو اُسے پاک کرنا ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ آپ بقصد و ارادہ ہی ایسا کریں بلکہ اگر بلا قصد آپ اسے حوض میں ڈال دیں یا آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اُسے پاک کر دے، یا ہوا کا جھونکا ایسا آئے کہ جو اُسے حوض میں لے جا کر ڈال دے تب بھی وہ پاک ہو جائے گا۔

دوسری قسم ہے واجب تعبدی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف کسی شے کا عالم وجود میں آ جانا کافی نہیں ہے بلکہ انسان کا ایک خاص قصد کے ساتھ اُس کا بجا لانا منظور ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وضو، غسل اور تیمم اسی طرح کی چیزیں ہیں اور وہ بغیر نیت صحیح نہیں ہو سکتے۔

(نیت کا فلسفہ)

اگر اسلام کا مقصد صرف عالم ظاہر کی تعمیر ہوتی اور مادی

قوت حاصل کرے، اور اس فاقہ کے سبب سے اپنی صحت جسمانی کو درست کر لے تو ایسے گناہوں کا ارتکاب کرے جن کا اس کے پہلے ارتکاب نہیں کر پاتا تھا اس صورت میں تو نماز اور روزہ گناہوں کے اضافہ کا سبب ہو سکتا ہے۔ برائیوں سے روکنے اور تقویٰ پیدا کرنے کا سبب کہاں ہوگا۔

یہ فائدہ جب ہوگا، تو اسی نیت سے یعنی وہ ادراک احساس جو دماغ سے متعلق ہے، وہ اگر پانچ وقت پر روزانہ صحیح طریقے سے پیدا ہوتا ہے تو یقیناً انسانی دماغ میں وہ تاثرات راسخ ہو جائیں گے جو اسے برائیوں سے روک سکتے ہیں اور اسی طرح روزہ۔

بات یہ ہے کہ فعل تو انسان کا کسی جزو خاص سے بدن انسان میں متعلق ہوتا ہے لیکن نفس کا تعلق تمام جسم کے ساتھ یکساں ہے اب اگر کوئی چیز ایسی ہو جو براہ راست نفس کو متاثر کر دے تو پھر وہ تمام جسد انسانی پر مساوی اثر ڈالے گی۔ اس طرح بہت ممکن ہے کہ کوئی چھوٹی سی آیت قرآن کی زبان پر جاری ہو، ظاہر میں یہ ایسا کام ہے جو ایک بہت مختصر وقت میں ہو گیا اور ایک انتہائی مختصر حصہ جسم یعنی زبان سے وہ عمل میں آگیا لیکن اسی ایک آیت میں اگر ادراک انسانی قوت کے ساتھ متاثر ہو جائے

انسان کے ادراکات و احساسات کا اُس کے حالات پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے خصوصاً وہ اثرات کہ جو دماغ سے متعلق ہیں وہ تو ادراک ہی سے وابستہ تھا۔

ٹھنڈی سڑک پر جانا سہ پہر کے وقت تفریح کا سبب ہوتا ہے مگر یہ جب ہی ہوگا جب انسان کو یہ خیال بھی ہو کہ وہ تفریح کے لیے جا رہا ہے۔ لیکن اگر کسی اپنے کام کے سلسلہ میں وہ روز ٹھنڈی سڑک کی طرف جاتا ہو اور اُسی راستے سے واپس ہوتا ہو تو چاہیے معدہ کی اصلاح اس مسافت کے پیادہ طے کرنے سے ہو جائے مگر تفریح جس چیز کا نام ہے وہ نہیں ہوگی۔ بس یہی رمز ہے جو نیت میں مضمر ہے۔

نماز کا یہ مقصد کہ ورزش ہو جائے قیام و قعود سے یقیناً پورا ہو سکتا ہے مگر یہ کہ ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر "نماز روکتی ہے شرمناک اور بری باتوں سے" یہ اُس سے نہیں حاصل ہو سکتا، روزہ کا یہ فائدہ کہ معدہ درست ہو جائے، صرف فاقہ کر لینے سے حاصل ہو سکتا تھا مگر وہ جسے لعلکم تتقون) کے الفاظ میں روزہ کے حکم کا مقصد قرار دیا گیا ہے وہ اُس سے تو نہیں ہوتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ انسان اُس ورزش کے ذریعہ جسمانی

محرک ہے۔ ایک انسان کوٹھے پر سے گر پڑتا ہے، اور ایک اپنے پیروں سے کوٹھے پر سے اترتا ہے۔ نتیجہ ایک ہے کہ دونوں کوٹھے پر سے نیچے پہونچ گئے مگر پہلے کا فعل ارادی و اختیاری نہیں ہے دوسرے کا فعل ارادی و اختیاری ہے اس لیے کہ قصد و ارادہ کے ساتھ ہے اسی طرح وضو اور نماز وغیرہ، یہ نہو کہ جیسے سوتے ہیں بہت سے لوگ چلتے ہیں، باتیں کرتے ہیں ویسے سوتے میں کوئی نماز پڑھے، یا نشہ کی حالت میں ہو یا جا رہا ہو منھ دھونے مگر بھولے سے کہنیوں تک ہاتھ دھو لے جیسے وضو میں ہوتا ہے۔ یہاں یہ فعل بلا قصد و ارادہ انجام پایا ہے لیکن اگر وضو ہی کرنا چاہتا ہے اور وضو کر رہا ہے تو بس یہی نیت ہے۔ اب اس پر زیادہ غور و تامل کی کیا ضرورت ہے۔ آپ گھر سے جب نماز کا وقت آیا تو نماز کے لئے روانہ ہوئے۔ اگر نماز پیش نظر نہ ہوتی تو اس وقت کے پہلے ہی چل کھڑے ہوتے۔ پھر اسی راستے پر آئے جس سے مسجد تک پہونچتے ہیں۔ اگر نماز کا خیال نہ ہوتا تو امین آباد، حضرت گنج وغیرہ دوسرے مقامات پر کیوں نہ چلے گئے۔ پھر اس مسجد میں آئے اور صف جماعت میں آکر بیٹھے مکبر کے قد قامت الصلوٰۃ کی آواز پر کھڑے ہوئے یہ سب کیا بغیر نماز کے خیال کے ہو رہا ہے۔ پھر جب امام نے تکبیرۃ الاحرام

تو وہی ایک آیت انسان کے روح و جسم دونوں کی صحیح تربیت
کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔ نیت سے عمل میں بھی بات پیدا ہو جاتی ہے

(نیت کی حقیقت)

نیت کیا ہے؟ یہ احساس کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اور کس کے
لئے کر رہے ہیں؟

پہلے جزو میں وہ تمام امور داخل ہیں جو تعین عمل سے متعلق
ہیں یعنی یہ سمجھنا کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں، کون سی نماز یعنی ظہر مثلاً
اگر اس کے پہلے کی بھی کوئی نماز ہے تو یہ ادا ہے یا قضا اور دوسرا
جزو وہ ہے جس کی طرف "قربۃً الی اللہ" سے اشارہ ہوتا ہے۔
بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ نیت بھی اذکار نماز کی طرح کچھ الفاظ
ہیں جو زبان پر جاری کئے جاتے ہیں وہ نماز پڑھنے میں زبان
سے یہ لفظیں ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ "نماز پڑھتا ہوں ظہر
کی چار رکعت واجب قربۃً الی اللہ" بعض لوگ خیال کرتے ہیں
کہ اس میں دیر تک کچھ سوچنے کی ضرورت ہے اس لیے نیت
اُن کی بڑی دیر میں ہوتی ہے مگر نیت تو حقیقتہً قصد کا نام ہے
اور وہ وہ چیز ہے کہ جو ایک اختیاری فعل کے وجود میں آنے کا

حاصل ہے۔ اس لئے مطہرنے سوچنے سے اس میں کوئی اضافہ نہیں
ہوگا اسی لئے شرعی حیثیت سے جو ضرورت ہے وہ ادنیٰ درجہ میں
اس کا خیال کر لینا اور اس کے ساتھ دوسرے اغراض کا مدنظر نہ ہونا، یہ
وہ چیز ہے جس سے عمل رسمی طور پر صحیح ہو جائے گا مگر قبولیت کا درجہ
اس کے آگے اور خضوع و خشوع کی منزل دوسری ہے وہ درحقیقت
اسی تصور کے بعد منازل ہیں جن سے نماز میں خشوع کی صفت
پیدا ہوتی ہے۔ یوں آداب ظاہری کے لحاظ سے میں ذیل وتعمہ
وہ شمار پڑھ سکتا ہوں جس میں نگاہ سجدہ گاہ سے نہ ہٹے کسی جزو بدن
کو حرکت نہ ہو۔ مگر واقعی خشوع تو بالکل دل سے متعلق ہے جس سے
پھر لازمی طور پر اعضاء و جوارح پر بھی سکون کا عالم طاری ہوگا۔
اسی کو امام نے ارشاد فرمایا ہے کہ "لو خشع قلبہ لخشع سائر جوارحہ"
اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو تمام اعضاء و جوارح پر بھی خشوع و خضوع
طاری ہوتا۔ اسی تصور کا وہ کامل درجہ ہے کہ نماز میں ماسوی اللہ
کی طرف کوئی توجہ ہی نہ ہو۔ یہاں تک کہ پاؤں سے تیر کھینچ لیا جائے
اور اس کی طرف التفات نہ پیدا ہو۔ اس کا تعلق نفس کے مراتب
معرفت سے ہے اور اسی لئے وہ احکام شرعیہ اور قوانین رسمیہ کے
حدود سے بالاتر منزل ہے۔ "این زمین را آسمانے دیگر است"

کبھی تو اس کے بعد نماز کے شروع کر دیتے ہیں آپ کیوں ڈرتے
ہیں کہ کہیں بلا نیت نہ ہو؟ اس کے لئے زیادہ دیر تک ہاتھوں
کو کانوں تک لیجا لیجا کر ملانے کی ضرورت کیا ہے بس اللہ اکبر
کہدیجئے۔ اگر آپ خوابیدہ نہیں ہیں بیدار ہیں اور ہوشیار
بھی ہیں تو وہ اللہ اکبر بقصد و ارادہ ہی کے ساتھ ہوگا اور اس
سے زیادہ نیت کے لیے کچھ اور ضروری نہیں ہے۔

یہ قصد وہ دماغ کے اندر مضمر صفت ہے جس کی طرف اکثر
انسان کو پورے طور پر توجہ بھی نہیں ہوتی۔ آپ ملاحظہ کرینگے
کہ کبھی آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں چاہتے ہیں نماز ظہر پڑھیں
تو دل میں خیال آتا ہے عصر کی نماز پڑھتا ہوں پھر خود ہی آپ
اپنے نفس کو ٹوکتے ہیں کہ نہیں۔ عصر نہیں ظہر معلوم ہوتا ہے کہ نفس
کی گہرائیوں میں کہیں یہ مضمر ہے کہ آپ نماز ظہر پڑھ رہے ہیں ورنہ
خود ہی اپنے خیال کی غلطی کا احساس کیسے ہوتا اور آپ عصر کا تصور
کرکے پھر ظہر کی طرف عدول کیوں کرتے۔

بے شک وہ دوسرا جزو نیت کا کہ "کس کے لئے یہ نماز ہے" اس کا
حقیقی تصور بہت مشکل چیز ہے وہ مراتب معرفت و ادراک سے وابستہ
ہے۔ وہ ہر انسان سے وقت عمل اتنا ہی ہوگا جتنی کہ اُسے معرفت

اور کافر کی نیت اُس کے عمل سے بدتر ہے"۔

بات یہ ہے کہ عمل تو ہے محدود چیز اور اسباب و ذرائع کا پابند
ممکن ہے کہ ایک شخص کے پاس پیسہ نہ ہو، تو وہ زکوٰۃ نہیں ادا کر سکتا
بیمار رہتا ہے اس لئے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ استطاعت نہیں حج
کو نہیں جا سکتا درصورتیکہ اسباب موجود ہوں تو پھر بھی ایک محدود
ہی درجہ تک وہ ان اعمال کو بجا لاسکے گا لیکن نیت ہے غیر محدود شے
اُس کے لئے اسباب و ذرائع موجود ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک
بالکل بے بس اور تنگ دست انسان اُس کو اگر جوش و ولولہ موجود
ہے تو جس حد تک اُس کی آرزوئیں وسیع ہوں، اُسی حد تک وہ
ثواب کا مستحق ہے۔ اب اس میں کیا شبہہ کہ اس کی نیت اس کے عمل
سے بدرجہا بہتر ہے۔ لیکن بدطینت بدسرشت انسان کافر اُس کو
ممکن ہے فساد اور شرارت کے ذرائع کم حاصل ہوں مگر اُس کے
تاریک حوصلے اور خبیث ارادے ظلم کی آخری حدوں تک
پہونچ سکتے ہیں۔ اسی کو سمجھ کر شاعر نے خوب کہا ہے ؎

یک حسینے نیست کو گردد شہید ورنہ لب باز ند در عالم یزید

اس کو ان لفظوں میں کہا ہے کہ نیۃ الکافر شرمن عملہ "کافر
کی نیت اس کے ظاہری اعمال سے زیادہ خبیث ہے"۔

الاعمال بالنیات

عبادت کا دارومدار نیت پر ہے اور اسی کے ذریعہ سے عمل میں کمال پیدا ہوتا ہے ممکن ہے کہ دیکھنے میں کوئی عمل مختصر ہو اور بہت کم وقت میں پورا ہو جائے لیکن اگر نیت صحیح ہے اور پورے اخلاص قلب سے ہو گیا ہے تو وہ بڑے اعمال کا ہم پلہ ہو گا یہی معنی ہیں اس کے کہ الاعمال بالنیات " اعمال بس نیتوں کے ساتھ وابستہ ہیں " بلکہ بسا اوقات عمل کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ یہی نیت ہے جو معیار فلاح و نجات ہوتی ہے فرض کیجئے ایک شخص ہے جو صدق دل سے اسلام لایا مگر پہلی نماز کا وقت آنے کے پہلے ہی دار دنیا سے رحلت کر گیا، اس نے بظاہر کوئی عمل انجام نہیں دیا ہے مگر بہشت کا مستحق ہے۔ یہ آخر بغیر نماز پڑھے، زکوٰۃ دئے، حج و جہاد بجا لائے کس طرح مصلین، صائمین وغیرہ کی جنت میں پہنچ گیا؟ وہ اس کی نیت ہے جو اس کو منزل فردوس میں جگہ دے رہی ہے۔

اسی بنا پر امام نے فرمایا ہے نیۃ المؤمن خیر من عملہ ونیۃ الکافر شر من عملہ " مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے

"اہل جہنم اس لئے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کہ اُن کی نیت دنیا میں یہ تھی کہ وہ اگر ہمیشہ دنیا میں رہیں تو برابر معصیت ہی میں بسر کریں اور اہل جنت جنت میں اس لئے ہمیشہ رہیں گے کہ اُن کا قصد یہ تھا کہ دنیا میں وہ ہمیشہ رہیں تو برابر خدا کی اطاعت ہی کرتے رہیں۔ ان ہی نیتوں کی بنا پر دونوں کی جزا وسزا ہمیشہ قائم رہے گی"

بیشک نیت کی تصدیق عمل سے ہونا چاہیے۔ انسان اگر کسی عمل خیر کا ارادہ کر کے خود ہی پشیمان ہو جائے یا باوجود قدرت و تمکن پھر بھی اُس کے انجام دینے میں سستی اور کاہلی سے کام لے تو اس کا عمل خود ہی اس کی نیت کی کمزوری کا ثبوت ہوگا۔ لیکن اگر نیت بخیر رکھے اور اپنی سی جد و جہد بھی کرے مگر اسباب کے فقدان یا موانع کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے قاصر و عاجز ہو جائے تو بارگاہ احدیت سے نیت کی بنا پر ثواب عطا کیا جائے گا بلکہ ضمیر وہ چیز ہے جس کی بنا پر اگر انسان کو جذب صادق اور ولولہ کامل ہو تو ان اعمال کا جن کا موقع گذر چکا ہے تو انسان اپنے ضمیر کے کیفیات کی بنا پر ثواب میں شریک ہوگا یہی وہ چیز ہے جسے امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے اُس وقت جب جنگ جمل میں خداوند عالم نے آپ کو غلبہ عطا فرمایا

دنیا میں لوگوں کی عمریں مختلف ہیں۔ کسی کی ستر برس کی عمر
ہوئی اس کو پچیس برس عبادت و اطاعت کے لئے ملے، کسی
کی عمر بیس ہی برس کی ہوئی۔ اس کو صرف پانچ سال ملے۔
اگر ظاہری حیثیت سے اعمال دیکھے جائیں تو وہ اس کے مقابل
کبھی نہیں ہو سکتے مگر نیت وہ ہے جو ان دونوں میں توازن پیدا
کر دیتی ہے۔ قدرت کی طرف سے اس کو موقع کم ملا، اس کو
زیادہ، لیکن بہت ممکن ہے کہ اس کا جوش اطاعت اور
ولولۂ عبادت اس سے بدرجہا زیادہ ہو تو اس کی کم مدت کی
کارگذاری اس کی زیادہ مدت کے اعمال سے بہتر ہو گی۔ یہی
وہ رمز ہے جسے امام نے بتلایا ہے۔ اس اعتراض کے جواب
میں کہ مومنین جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کفار جہنم میں
ہمیشہ کے لیے داخل کئے جائیں گے۔

یہ جزا و سزا ہمیشہ کس لیے ہے جبکہ اعمال ایک محدود عمر میں
تھے جو ختم ہو گئی فرماتے ہیں انما خلد اهل النار فی النار
لان نیاتهم کانت فی الدنیا ان لو خلدوا فیها ان یعصوا
الله ابدا وانما خلد اهل الجنة فی الجنة لان نیاتهم کانت
فی الدنیا ان لو بقوا فیها ان یطیعوا الله ابدا فبالنیات خلد هؤلاء وهؤلاء

شریک ہوں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ اگر دل میں اُس عظیم معرکہ میں شریک ہونے کا جذبہ ہے تو اُس کی تصدیق عملی ہی ہو سکتی ہے کہ ہمارے سامنے جو دینی مراحل پیش ہوں اُن میں اپنے فرض کا احساس کریں چاہے ان میں کتنی ہی شدت اور سختی کیوں نہ ہو لیکن اگر معمولی معمولی امتحانات میں ہمارے قدم متزلزل ہو جاتے ہیں تو ہرگز یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے دل میں واقعہ کربلا ایسے عظیم موقع پر شرکت کا حقیقی ولولہ ہے۔ اس صورت میں یہ لفظیں صرف لفظیں ہی ہوں گی جو ہماری زبان سے نکلتی ہیں جن کا نہ کوئی مفاد ہے اور نہ کوئی نتیجہ۔

(مقصد عبادت)

میں نے کہا کہ نیت میں دو چیزیں ہیں۔ کیا عمل بجا لا رہا ہے؟ اور کس کے لیے بجا لا رہا ہے؟ پہلی چیز آسان ہے لیکن دوسری چیز انتہائی دشوار۔ اس کے لئے جہاں تک کہ ضروری مقدار ہے وہ تو یہ ہے کہ کوئی دنیوی مقصد پیش نظر نہ ہو یا کسی غیر خدا کی رضا جوئی عمل سے مد نظر نہ ہو۔ لیکن اس کے آگے یہ منزل ہے کہ آخرت کا کوئی مقصد پیش نگاہ ہو مثلاً یہ کہ ثواب آخرت

اور ایک شخص نے آپ کے اصحاب میں سے کہا کہ لوددت ان اخی فلانا کان معنا لیری ما اتاک اللہ سبحانہ من الظفر علی اعدائک "مجھے آرزو ہے کہ کاش میرا بھائی فلاں شخص ہمارے ساتھ ہوتا اور وہ دیکھتا کہ خداوند عالم نے کس طرح آپ کے دشمن پر فتح عطا فرمائی ہے" تو آپ نے فرمایا اھوی اخیک معنا "کیا تمھارا بھائی ہمارے دوستوں میں سے ہے" اس نے کہا کہ ہاں وہ آپ کے دوستوں میں سے ہے۔ حضرت نے فرمایا:۔ فواللہ لقد شھدنا ولقد شھدنا فی عسکرنا ھذا قوم فی اصلاب الرجال وارحام النساء سیرعف بھم الزمان ویقوی بھم الایمان۔

"تو پھر بخدا وہ ہمارے ساتھ تھا اور ہمارے ساتھ ہمارے لشکر میں بہت سے وہ لوگ تھے جو ابھی مردوں کے صلب میں اور عورتوں کے شکم میں ہیں۔ زمانہ اُن کو باہر ظاہر کرے گا اور ایمان کو اُن کے ذریعہ سے قوت حاصل ہوگی"

یہ جو آپ کو تعلیم دی گئی ہے کہ آپ واقعۂ کربلا کے یاد آنے پر کہیئے یالیتنا کنا معکم فنفوز فوزا عظیما یہ صرف لفظین ہی لفظیں نہیں ہیں بلکہ دل میں حقیقتہً اس تمنا کا پیدا کرنا منظور ہے اور اس جذب و ولولہ کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ اس اجر میں

وھذہ فتلک عبادۃ العبید وان قوما عبدوا اللہ شکرا فتلک عبادۃ الاحرار

"ایک جماعت وہ ہے جو خدا کی عبادت کرتی ہے ثواب کی توقع میں۔ یہ تاجروں کی سی عبادت ہے اور ایک جماعت وہ ہے جو عبادت خدا سزا کے خوف سے کرتی ہے۔ یہ غلاموں کی سی عبادت ہے اور ایک قوم وہ ہے جو خدا کی عبادت کرتی ہے صرف اُس کی نعمتوں کا لحاظ کرتے ہوئے یہ آزاد منش لوگوں کی عبادت ہے"

اسی کو آپ کے بعد دوسرے ائمہ نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں :-

العبادۃ ثلثۃ قوم عبدوا اللہ عزوجل خوفا فتلک عبادۃ العبید وقوم عبدوا اللہ تبارک وتعالیٰ طلب الثواب فتلک عبادۃ الاجراء وقوم عبدوا اللہ عزوجل حبا لہ فتلک عبادۃ الاحرار وھی افضل العبادۃ۔

"عبادت تین قسم کی ہوتی ہے۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو خدا کی عبادت کرتے ہیں ڈر کے مارے۔ یہ غلاموں کی سی عبادت ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں ثواب کی خواہش میں۔

کا حصول مدنظر ہو یا عقاب سے حفاظت۔ جہاں تک صحت عمل کا تعلق ہے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی وجہ سے عبادت باطل ہو جائے گی اس لئے کہ قرآن مجید میں ثواب و عقاب جنت و جہنم کا تذکرہ اسی لئے ہے کہ کمزور طبائع کے لیے محرک عمل ثابت ہو سکے یہ ایک لطف خداوندی ہے کہ اس ذریعہ سے اس نے منزل اطاعت کی طرف ہم کو قریب کیا ہے اگر ان امور کا بوقت عبادت پیش نظر ہونا ناجائز ہوتا اور بطلان عمل کا سبب ہوتا تو ان امور کا تذکرہ کرنا اور یہ خوش آیند وعدے یا تہدید آمیز وعید کرنا خود خلاف لطف و احسان ہوتا کیونکہ فطرۃً ان ہی چیزوں کے تذکرہ کی بدولت ہمارے ذہن میں یہ خیالات زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمارے اعمال کے باطل ہونے کا سبب خداوند عالم ہوتا۔

بے شک عمل کی بلندی اور معراج کمال یہ ہے کہ اس قسم کے صحیح مقاصد بھی انسان کے پیش نظر نہ ہوں اور وہ عمل کو صرف خدا کی رضا جوئی کے لئے انجام دے یہ بہت معزز درجہ ہے جس تک ہر انسان نہیں پہونچتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے اس کو حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

ان قوما عبدوا اللہ رغبۃ فتلک عبادۃ التجار وان قوما عبدوا اللہ

بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے۔

ماعبدتک طمعاً فی جنتک ولاخوفاً من نارک ولکن وجدتک اھلاً للعبادۃ فعبدتک۔

"میں نے تیری عبادت نہیں کی تیری جنت کی لالچ یا تیری آگ کے خوف سے لیکن میں نے تجھکو عبادت کا مستحق پایا اس لئے عبادت کی"

وہاں پیش نظر صرف رضائے خدا تھی۔ اور اس لئے مناجات میں کہتے تھے کہ:۔ اگر تیری خوشنودی اس میں معلوم ہو کہ تو مجھے آتش جہنم میں داخل کرے تو وہ جہنم میرے لئے جنت ہو"

عبادت میں اخلاص کی ضرورت

نیت میں اخلاص بہت اہم چیز ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت میں غیر خدا کسی کا لحاظ نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے مخلصین لہ الدین "یعنی مومنین عبادت کو خالص خدا کے لئے انجام دیتے ہیں" یہاں دین سے مراد طاعت و عبادت ہے جیسے نماز کو دین سے تعبیر کیا گیا ہے اسی حیثیت سے اس آیت میں کہ وما کان اللہ لیضیع دینکم "خدا تمہاری اطاعت و عبادت کو برباد نہیں کرے گا" ریاء و سمعہ وہ دو چیزیں ہیں جو اخلاص کے خلاف ہیں

یہ مزدوروں کی سی عبادت ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں جو خدا کی
عبادت کرتے ہیں اُس کی محبت میں ۔ آزاد منش لوگوں کی عبادت
ہے اور وہ بہترین قسم ہے عبادت کی "

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے :۔

ان الناس یعبدون اللہ عزوجل علیٰ ثلثۃ اوجہ فطبقۃ
یعبدونہ رغبۃ فی ثوابہ فتلک عبادۃ الحرصاء وھو الطمع
واخرون یعبدونہ خوفا من النار فتلک عبادۃ العبید وھی
الرھبۃ ولکنی اعبدہ حبا لہ عزوجل فتلک عبادۃ الکرام ۔

" لوگ خدا کی تین طرح عبادت کرتے ہیں ایک طبقہ وہ ہے
جو خدا کی عبادت کرتا ہے ثواب کی خواہش میں، یہ لالچیوں کی
سی عبادت ہے اور اس کا نام ہے طمع و حرص ۔ دوسرے لوگ
وہ ہیں جو خدا کی عبادت کرتے ہیں آتش جہنم کے خوف سے ۔ یہ
غلاموں کی سی عبادت ہے ۔ اور صرف ڈر کا نتیجہ ہے لیکن میرا
مسلک یہ ہے کہ خدا کی عبادت ہو اُس کی محبت میں ۔ یہ معزز
لوگوں کی عبادت ہے "

بے شک اس طرح کی عبادت وہ کمال کا درجہ ہے جو صرف
مقربین ہی کو حاصل ہے ۔ یہی وہ ہے جس کی بنا پر امیر المومنین

فرض کیجئے یہ نماز اگر گھر میں پڑھتا تو سرسری طور پر بہت تیزی کے ساتھ نماز ختم کر دیتا لیکن دو ایک آدمی آ گئے تو اب یہ پابند ہو گیا۔ رُک رُک کر اور ٹھہر ٹھہر کر نماز پڑھنے لگا۔ یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ اسے دکھانے کا جذبہ موجود ہے۔ کوئی شخص سامنے ہوا اس نے حروف کو مخارج سے احتیاط کے ساتھ ادا کرنا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ یہ چاہتا ہے اس کی قرأت و تجوید کا مظاہرہ ہو۔ اسی طرح کی بہت ایسی صورتیں ہیں جن کی طرف اگر انسان کو توجہ ہو تو اُسے اپنے عمل کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

اس کو امیر المومنینؑ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ

ثلاث علامات للمرائی ینشط اذا رأی الناس و یکسل اذا کان وحدہ و یحب ان یحمد فی جمیع امورہ

"ریاکاری کی تین علامتیں ہیں۔ جب لوگ موجود ہوں تو اس کا عمل میں خوب دل لگے اور جب تنہا ہو تو سست ہو جائے اور وہ پسند کرتا ہو اس بات کو کہ لوگ ہر بات میں اُس کی تعریف کریں"

نام و نمود اور مدح و ثنا کی خواہش انسان کے عمل کے لئے ایک بلائے بے درماں ہے جس سے اعمال کی درستی بالکل برباد ہو جاتی ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان عبادت کسی دوسرے شخص کو دکھانے یا سنانے کے لیے انجام دے۔ اس ایک صورت تو یہ ہے کہ مقصود اصلی صرف دکھانا اور سنانا ہی ہو۔ اس صورت میں وہاں للٰہیت کا بالکل پتہ نہیں ہے، مگر دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں امر ساتھ ساتھ مقصود ہوں یعنی یہ کہ اس عمل کو وہ خدا کے حکم کی بنا پر انجام دے رہا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ دوسرے اشخاص اس کو بہت عبادت گزار سمجھیں۔ یہ چیز بھی صحت عمل کے منافی ہے۔ عبادت میں ریاکاری ہی وہ ہے جو لسان شریعت میں شرک خفی سے تعبیر کی گئی ہے۔ ایسے عمل کا کوئی ثواب نہیں ہو سکتا

حدیث میں ہے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ "میں بہت اچھا شریک ہوں کہ جب میرے ساتھ کسی کو شریک کر دیا جاتا ہے تو میں اپنا حصہ بھی اسی شریک ہی کو دیتا ہوں اور میں بس اس عمل کو قبول کرتا ہوں جو میرے لئے خالص ہو۔"

بظاہر داری اور ریاکاری کا جذبہ اکثر اتنا مخفی ہوتا ہے کہ خود انسان کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے عمل میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ نہیں ہے مگر معمولی معمولی باتوں سے اس کے اس پندار کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

کی طرف سے اعمال ادا کر رہا ہے اور اس لحاظ سے جو کام یہ کر رہا ہے وہ صرف نیابت ہے یہ وہ ہے جو براہ راست اس کی طرف منسوب ہے۔ دوسری وہ حیثیت ہے جو نیابت کی وجہ سے اس میں پیدا ہوتی ہے اور اس اعتبار سے یہ گویا منوب عنہ ہے یعنی جو عمل ہو رہا ہے وہ اس کی ذات کا نہیں ہے بلکہ اس شخص کا ہے جس کی نیابت حاصل ہے اور وہ عمل جو منوب عنہ کی طرف منسوب ہے وہ نیابت نہیں ہے بلکہ نماز، روزہ وغیرہ اس طرح کی عبادتیں ہیں۔

وہ پہلا کام جو بحیثیت نائب اس سے ہوتا ہے یعنی نیابت وہ باجرت ہے یعنی اس روپیہ کی وجہ سے وہ دوسرے کی قائم مقامی کر رہا ہے لیکن وہ نماز و روزہ جس کو یہ بجا لاتا ہے منوب عنہ کی طرف منسوب کر کے اس کے لیے اس کو یہ احساس ہے کہ وہ احکام خداوندی تھے جو اس منوب عنہ کے متعلق تھے اور ان احکام کے تحت ہیں یہ اعمال بجا لائے جا رہے ہیں، اس لیے اس منوب عنہ کی طرف سے وہ قصد قربت جو اعمال میں ضروری ہے اس عبادت میں موجود ہے اور اسی لیے اس کے ثواب کا تعلق اسی منوب عنہ کے ساتھ ہو گا یعنی نائب چونکہ باجرت نیابت کر رہا ہے اس لیے وہ اس نیابت کے ثواب کا مستحق نہیں ہے لیکن منوب عنہ

بے شک انسان کا مقصد صاف ہو۔ وہ اپنے عمل کو صرف خالصتہ لوجہ اللہ کرے۔ پھر اگر لوگ اُس کی تعریف بھی کریں اور اُسے نام بھی حاصل ہو تو یہ خدا کی نعمت ہوگی جو اُس نے بندہ کو عطا فرمائی ہے اس صورت میں دنیا بھی اُس کی خوشگوار ہے اور آخرت میں بھی کامیاب ہے۔

(اُجرت کا مسئلہ)

صحت عبادت اور اخلاص عمل کے گزشتہ معیار کو دیکھتے ہوئے بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی صحت میں بظاہر دشواری محسوس ہوتی ہے۔ روزے اور نمازیں جو میت کی طرف سے باجرت ادا کرائی جاتی ہیں یہ ظاہر ہے کہ یہاں عمل بجا لانے والے کے لیے محرک اس کام کا وہ اُجرت ہے جو اُس کے لئے معین کی گئی ہے۔ اس صورت میں قاعدہ سے اس عبادت کو باطل قرار پانا چاہیے اور جب وہ عبادت باطل ہوئی تو جس کی طرف سے وہ ادا کی گئی اُس کو فائدہ کیا حاصل ہوا؟ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو جو اعمال بجا لارہا ہے دو حیثیتیں حاصل ہیں ایک نائب کے شخصی لحاظ سے اس اعتبار سے کہ یہ دوسرے

نہیں ملا اور موت کا فرشتہ سامنے آگیا ہے اُس نے مجبوری
مرتے وقت وصیت کر دی یا اولاد سے کہدیا، اس وقت خدا
کے فضل وکرم سے یہ امید رکھنا چاہیئے کہ وہ اس کے نیک ارادہ
کی بدولت اُس کو معاف کر دے اور اُس سے باز پرس نہ کرے مگر
انسان کے لیے اپنے فرائض میں جان بوجھ کر کوتاہی ہرگز قابل معافی
نہیں ہے اور خدا کی عدالت کے ماتحت وہ ضرور سزا کا مستحق ہے

دوسری چیز جو قابل لحاظ ہے وہ پیشنمازی - ذاکری - مدارس
دینیہ میں تدریس ایسی چیزوں کا باجرت ادا کرنا ہے جن کا تعلق
فرائض دینیہ کے ساتھ ہے -

اس سلسلہ میں یہ امر طے شدہ ہے کہ واجبات پر اُجرت لینا
حرام ہے جیسے کوئی شخص نماز پنجگانہ اُجرت لے کر پڑھے - یہ اُجرت
ناجائز ہوگی اور مال حرام قرار پائے گی - اسی صورت سے واجبات
کفائیہ جیسے غسالی - گورکنی اور نماز جنازہ ان تمام باتوں کو باجرت
ادا کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ وہ ہر شخص پر واجب ہیں اور
جو بھی انھیں انجام دے وہ ایک فرض ادا کرتا ہے طبابت بھی
ایسے موقع پر کہ جب حفاظت نفس کا معاملہ ہو - اسی میں داخل
ہو جاتی ہے یعنی کوئی ایسا موقع جہاں اس طبیب کی رائے میں

جس کی طرف سے بقصدِ قربت وہ عمل ادا ہو رہا ہے وہ اس عمل کے ثواب سے بہرہ اندوز ہے۔

یہ بھی واضح ہونا ضروری ہے کہ یہ قضا کا حکم میت کی طرف سے درحقیقت ایک مستقل عبادت ہے جو خدا کی طرف سے فرزند اکبر کے ذمہ واجب قرار دی گئی ہے یا دوسرے اشخاص کے لیے سنت ہے اس سے ایک طرح کے تعاون اور باہمی مساوات کا احساس بعد فنا بھی انسان کے لیے پیدا کرانا منظور ہے۔ ورنہ وہ کوتاہی جو انسان سے زندگی میں فرائض کے ادا کرنے میں ہوئی ہے اس قضا کی وجہ سے بالکل نظر انداز ہو جانے کے قابل نہیں ہے ورنہ پھر ایسے لوگ جن کی اولاد سعید ہے اس بھروسے پر کہ ہمارا فرزند ہمارے بعد نماز و روزہ ادا کرا دے گا جان بوجھ کر اعمال و فرائض میں کوتاہی کریں یا جو لوگ دولت مند ہیں وہ زندگی بھر نماز و روزہ بجا نہ لائیں اور آخر وقت یہ وصیت کر دیں کہ ہمارے مال میں سے نماز و روزہ ادا کر دیا جائے ہرگز انھیں یہ سمجھنا درست نہیں ہے اپنے عمل کا ہر شخص خود ذمہ دار ہے بیشک نیک نیتی کے ساتھ اگر کوئی اپنے نماز و روزہ کے قضا کا خود ہی عزم و ارادہ رکھتا ہے لیکن اتفاق سے ایسا ہوا کہ موقع

معلوم ہوگی لیکن ذرا چند لمحوں کے لیے میرے ساتھ اس مسئلہ پر غور کر لیجیے۔

انسان بعض اوقات یہ دیکھتا ہے کہ اُسے طلب معاش کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا تو ضروری ہے اس سلسلہ میں وہ غور کرتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ اگر وہ ایک محکمۂ چور میں جا کر خدمت کرے، تب بھی اُس کی بسر معاش ہو جائے گی۔ ایک شراب خانہ میں ملازمت کرے تب بھی بسر معاش ہو جائے گی۔ کسی دوکان کا ایجنٹ ہو اس میں بھی بسر معاش ہو جائے گی۔ اور اس سب کے مقابلہ میں فرض کیجیے ذاکری کو اختیار کرے طبابت کو اختیار کرے تو یہ بھی بسر معاش کا ذریعہ ہے۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ پہلی ملازمت کرے گا تو ناجائز باتوں کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔ دوسری صورت بھی ناجائز ہے۔ تیسری صورت میں بسر معاش تو ہو جائے گی لیکن کوئی دینی فائدہ اُس سے پھر بھی حاصل نہیں ہوگا۔ تیسری صورت میں وہ دیکھتا ہے کہ اس صورت میں دینی فائدہ حاصل ہوگا یا خلق خدا کو فائدہ پہونچے گا جو خداوند عالم کو مطلوب و مقصود ہے وہ اپنے بسر اوقات کے لیے اس سلسلہ کو اختیار کرتا ہے۔ بہت ممکن ہے

جان کی حفاظت موقوف ہے اس امر پر کہ یہ علاج کرے، وہاں اس پہ علاج کرنا اُس مریض کا فرض عینی ہے اور اس صورت میں معاوضہ کا کوئی سوال پیدا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ہر اپنے حلق اُس حد تک کہ جو واجب ہے یقیناً اُس پر اُجرت لینا حرام ہے۔

اب رہ گئے مستحبات۔ جیسے پیش نمازی، اس میں یہ ظاہر ہے کہ یہ شخص اصل نماز پہ اُجرت نہیں لیتا، یعنے اگر یہ اُجرت نہ بھی ملتی تب بھی نماز پڑھتا مگر مسجد میں اور جماعت سے نہ پڑھتا۔ یہ خصوصیات اُجرت کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے ان خصوصیات استحبابی کے ثواب کا استحقاق اس کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح ذاکری، یا طبابت اس حد تک کہ جو واجب کے درجہ تک نہ پہونچی ہو اس میں ثواب کا استحقاق حاصل ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے۔

مگر اس موقع پر غائر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ اس شخص کو اس عمل کے انجام دینے کا محرک سوائے روپیہ کے کچھ ہو ہی نہ اور کوئی تصور اُس کو للہیت کا پایا ہی نہ جاتا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو للہیت کا خیال بھی ہو یہ چیز ذرا آپ کو عجیب

نمبر شمار	نام رسالہ	[illegible]	[illegible]
۳۲	دور استبداد	۰۴/	[illegible]
۳۳	حقیقت بداء	[illegible]	[illegible]
۳۴	خطیب آل محمدؐ	۰۴/	[illegible]
۳۵	تدوین حدیث	[illegible]	[illegible]
۳۶	مطلوب کعبہ	[illegible]	[illegible]
۳۷	محاربہ کربلا	[illegible]	[illegible]
۳۸	اسلام کا پیغام اردو	۰/	۰/
۳۹	دی مسیج آف اسلام انگریزی	۰/	۰/
۴۰	اثبات عزاداری	۰۴/	[illegible]
۴۱	مسئلہ فدک	۰۵/	[illegible]
۴۲	تاجدار کعبہ	[illegible]	[illegible]
۴۳	خلافت و امامت حصہ اوّل	۰۵/	[illegible]
۴۴	〃 〃 حصہ دوم	۰۴/	[illegible]
۴۵	〃 〃 سوم	۳/	[illegible]
۴۶	تحقیق اذان	۱/	[illegible]
۴۷	ذوالجناح	۰/	۰/
۴۸	شہدائے کربلا حصہ اول	[illegible]	[illegible]
۴۹	کربلا کا مہا سمر ہندی	[illegible]	[illegible]
۵۰	حسین اینڈ دی ٹریجڈی آف کربلا انگریزی	۰۱/	[illegible]
۵۱	مشہد اعظم	[illegible]	[illegible]
۵۲	لاتفسدوا فی الارض	۰/	[illegible]

نمبر شمار	نام رسالہ	[illegible]	[illegible]
۵۳	نہج البلاغہ کا استناد	۴۰/	۱/
۵۴	خلافت و امامت حصہ چہارم	۳/	۱/
۵۵	شہدائے کربلا حصہ دوم	۵/	[illegible]
۵۶	الولایۃ التکوینیۃ	۴/	۱/
۵۷	حسینؑ چار مذاہب کی نظر میں	۱/	۰/
۵۸	اسلامی مشاغل	۳/	[illegible]
۵۹	اسلام اور رہبانیت	۱/	۰/
۶۰	صحیفہ عظمت	[illegible]	[illegible]
۶۱	خلافت و امامت حصہ پنجم	۴/	[illegible]
۶۲	خدا کی معرفت	[illegible]	[illegible]
۶۳	شہدائے کربلا حصہ سوم	[illegible]	۱/
۶۴	خلافت و امامت حصہ ششم	۰/	[illegible]
۶۵	دی لاسٹ ٹرتھ آف حسینؑ	[illegible]	[illegible]
۶۶	آئینہ حقائق فقہ جعفریہ	[illegible]	[illegible]
۶۷	شیعوں کی زندگی	۱/	۰/
۶۸	صحیفہ ادعیہ	[illegible]	[illegible]
۶۹	مذہب شیعہ اور تبلیغ	[illegible]	۰/
۷۰	اسیری اہل حرم	۰۱/	۰/
۷۱	دی ڈیتھ آف حسین انگریزی	۱/	۰/
۷۲	نظام زندگی حصہ اول	[illegible]	[illegible]
۷۳	نظام زندگی حصہ دوم	۵/	[illegible]

کہ اُسے پہلے پیشوں میں روپیہ زیادہ حاصل ہوتا لیکن وہ اُس زیادتی سے قطع نظر کرتا ہے اور اس صورت پر اپنی معیشت کے اکتفا کرتا ہے۔ اس صورت میں وہ جو کچھ کرتا ہے بے شک پیشہ کی صورت سے ہے مگر اس پیشہ کو اختیار کرنا اُس کا خداوندی منشا کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر اور دینی معاد کے ماتحت تھا اس صورت میں یقیناً وہ جو کام انجام دیتا ہے اُس پر ثواب کا بھی حقدار ہے اب اس کا دار و مدار بالکل نیت پر ہوگیا اور ہماری زبان بندی ہوگئی یعنی ہم کو کسی ایسے شخص کی نسبت جو اس طرح کے ذرائع کسب معاش کے لیے اختیار کرے یہ کہنے کا حق نہیں رہا کہ اُس کا عمل باطل ہے یہ خدا ہی جانے گا کہ اُس کی نیت کیا تھی اور اُس کا عمل کن جذبات و احساسات کے ماتحت ہے۔

تمام ــــــــــد

حصہ دوم

فہرست امامیہ مشن بک ایجنسی لکھنؤ

۱	التسمیہ	۱۰/	۱/
۲	کائنات قبل از اسلام	۲/	۰/
۳	قاتلان حسین کی گرفتاری	۸/	۲/
۴	تحفۂ بینات	عمر/	۲/
۵	تبصرۃ الاحکام	۴/	۱/
۶	صحیفہ تجلی	۸/	۱/
۷	گلِ عصمت	۱/	۰/
۸	رجال بخاری حصہ دوم	۹/	۱/
۹	رسولؐ کی بیٹی	۲/	۰/
۱۰	تاریخ ازدواج	۸/	۱/
۱۱	امامی کلمات	۳/	۱/
۱۲	تسمیہ سلام	عگ/	۵/
۱۳	ثنائے زہرا	عمر/	۲/
۱۴	ہمارے رسولؐ	۳/	۱/
۱۵	ہماری خاتون جنت	۲/	۱/
۱۶	قاتلان عثمان	۵/	۱۰/
۱۷	سکیدہ اسلام	۳/	۰/
۱۸	حصول اسلام کی حقیقت	۴/	۱/
۱۹	تقیہ	۲/	۰/
۲	میزان جنت	۳/	۱/
۲۱	تبرے کی حقیقت	۳/	۰/
۲۲	حسین اور مذہب	۱/	۰/
۲۳	فتح مبین	۳/	۱/
۲۴	الشیعہ	۳/	۱/
۲۵	ثبوت تقصیر	۱۰/	۰/

ملنے کا پتہ } سکریٹری امامیہ مشن رجسٹرڈ نخاس لکھنؤ

پبلشر سید مصطفےٰ حسن رضوی سکریٹری امامیہ مشن رجسٹرڈ لکھنؤ
پرنٹر۔ نثار علی رضوی